۲

ابو محمد امام الدین

خاصان خدا کا خوف آخرت



۲

ابو محمد امام الدین

خاصان خدا کا خوف آخرت



خاصانِ خُدا کا خوفِ آخرت

دوم

ابُو محمّد امام الدّین

اَلبدر پبلی کیشنز ۲۳-راحت مارکیٹ اُردُو بازار لاہور

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

طبع اول جدید	جون 1995ء
تعداد	1100
ناشر	عبدالحفیظ احمد
مطبع	مطبعۃ العربیہ لاہور
قیمت	30 روپے

فہرست مضامین

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ	7
حضرت اویس قرنیؒ	36
حضرت حسن بصریؒ	43
حضرت امام زین العابدینؒ	48
حضرت امام اعظمؒ	50
حضرت سعید بن جبیرؒ	54
حضرت ربیع بن خثیمؒ	58
حضرت امام محمد بن سیرینؒ	63
حضرت مسروق بن اجدعؒ	65
حضرت امام اوزاعیؒ	67
حضرت ابو یوسفؒ	75
حضرت امام محمدؒ	90
حضرت امام زفرؒ	91
حضرت عبداللہ بن مبارکؒ	92
حضرت مسعر بن کدامؒ	104
حضرت عبداللہ وہیبؒ	107
حضرت یحییٰ بن سعیدؒ	110
حضرت امام سفیان بن ثوریؒ	113
حضرت حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ	120

حضرت احنف بن قیسؒ	123
حضرت جابر بن زیدؒ	128
حضرت محمد بن کعبؒ	129
حضرت فضیل بن عیاضؒ	132
حضرت حکیم حنین بن اسحاقؒ	142
شیخ عمرو بن عمیدؒ	146
حضرت مالک بن دینارؒ	148
حضرت سعدونؒ	155
حضرت بشر حافیؒ	156
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	157
حضرت فرید الدین گنج شکرؒ	158

حضرات تابعینؒ کا خوف آخرت

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ

فضیلت و بزرگی میں اویس قرنی اور حضرت امام حسن بصری اور دوسرے حضرات کو حضرت عمر بن عبدالعزیز پر تقدم حاصل ہے لیکن آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ خلافت راشدہ کے مجدد ہیں' آپ کی زندگی کے ہر شعبے پر خوف آخرت کی مہر لگی ہوئی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ باپ کی طرف سے اموی اور ماں کے طرف سے فاروقی تھے' بنی امیہ کی مروانی حکومت کا بانی مروان جو ایک بدنہاد شخص تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دادا تھا اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں' بنی امیہ کا نامور فرما نروا عبدالملک آپ کا چچا اور خسر تھا۔ اس کے بیٹے سلیمان کے انتقال کے بعد حضرت عمر بن العزیزؒ مسند آرائے خلافت ہوئے اس سے قبل مدینہ منورہ کی گورنری پر فائز رہ چکے تھے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حقیقی معنوں میں خلیفہ اور امیرالمومنین تھے اور بجا طور پر آپ کو عمر ثانی کہا جاتا ہے آپ نے اپنی پاکیزہ سیرت و کردار سے خاندان بنو امیہ کو چار چاند لگا دیئے جس شخص نے ابتدا سے سادہ زندگی گزاری ہو اور اس زندگی کا عادی

ہو اس کے لیے بھی سلطنت و حکومت پانے کے بعد سادہ زندگی کو برقرار رکھنا آسان نہیں، لیکن جس نے نازونعم میں پرورش پائی ہو اور شاہانہ زندگی گزاری ہو اس کے لیے سلطنت و حکومت پانے کے بعد اپنی زندگی کو یکسر بدل دینا اور شاہی میں فقیری اختیار کرلینا اس کی زندگی کا غیر معمولی کارنامہ اور غیر معمولی کرامت ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسی زندگی کا نمونہ پیش کیا۔ جس کی مثال نہ ان سے پہلے ملتی ہے اور نہ بعد میں کوئی خلیفہ اور سلطان اس کی مثال پیش کرسکا، یہ نتیجہ تھا حضرت عمربن عبدالعزیزؒ کے احساس ذمہ داری، آخرت کی جواب دہی اور خوف خدا کا۔

حضرت عمربن عبدالعزیزؒ کی تعلیم و تربیت حضرت صالح بن کیسان رحمتہ اللہ علیہ کی زیرنگرانی ہوئی تھی جو ایک ممتاز تابعی اور باخدا بزرگ تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بھی تابعی ہونے کا فخر حاصل تھا، علوم اسلامیہ میں بھی آپ کو پوری دست گاہ حاصل تھی۔

عبرت پذیری

شہزادے تو تھے ہی بڑے نفاست پسند بھی تھے اور بڑے نازونعم میں پرورش پائی تھی۔ آپ کے جس لباس پر دوسرے کی نگاہ پڑ جاتی اس کو دوبارہ استعمال نہ کرتے، داڑھی پر عنبر کا سفوف چھڑکتے، کروفر اور شان و شوکت کا یہ عالم تھا۔ کہ مدینے کی گورنری پر مامور ہو کر دمشق سے روانہ ہوئے تو تیس اونٹوں پر آپ کا ذاتی سامان بار تھا، اس شاہانہ مزاج کے ساتھ

بڑی عبرت پذیر طبیعت پائی تھی ایک بار خلیفہ عبدالملک کے ساتھ سفر میں تھے' کچھ ہمراہیوں کے سامان پیچھے رہ گئے تھے' اس لیے شاہی سواری ایک مقام پر ٹھہر گئی جن کے سامان روانہ ہو چکے تھے وہ آرہے تھے' جن کے سامان روانہ نہ ہوئے تھے ان کے سامان نہ تھے' اتنی سی بات پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو آخرت کی یاد آگئی اور آپ فرط تاثر سے رو پڑے' آپ کے اس طرح رو پڑنے پر خلیفہ عبدالملک نے تعجب کے ساتھ رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کل قیامت کے دن بھی ایسا ہی ہوگا' جس نے یہاں سے کچھ بھیجا ہوگا اسے تو وہاں ملے گا اور جس نے نہ بھیجا ہوگا وہ محروم رہے گا"۔

کیا ہمارے اندر بھی کبھی یہ سوچ پیدا ہوتی ہے؟ ایسی ہی سوچ دل کی زندگی کی علامت ہے' اس واقعہ میں ہمارے لیے بڑی عبرت ہے۔ قرآن مجید میں بھی ہمیں تنبیہہ فرمائی گئی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (الحشر:۱۸) اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور ہر شخص دیکھتا رہے کہ اس نے کل (قیامت کے دن) کے لیے کیا سامان بھیجا (پھر سن لو) اللہ سے ڈرتے رہو تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھتا ہے۔ (حشر)

خلفائے بنی امیہ ظلم وجور' جبر و تعدی اور رعایا کی دولت و جائیداد

غضب کرنے میں بڑے تیزدست تھے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدا ترسی اس کو گوارا نہ کرتی تھی' انہوں نے مدینہ منورہ کو گورنری اس شرط پر قبول کی تھی کہ وہ ظلم و تعدی اور حق تلفی کو روا نہ رکھیں گے' اس لیے جب آپ کو خلیفہ کے حکم سے مجبور ہو کر ایک حاکم پر سختی کرنی پڑی تو آپ نے مدینہ منورہ کی گورنری سے استعفاء دے دیا۔

خلافت

منصب خلافت کی ذمہ داریوں کے احساس نے تو حضرت عمر کے دل کی دنیا ہی بدل دی' لوگ حکومت کے معمولی معمولی عہدے کیلئے کیا کچھ ناکردنی نہیں کیا کرتے' لیکن خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے بعد آپ کی لاعلمی میں آپ کو اس کا جانشین مقرر کیا گیا اور آپ کو اس کی اطلاع دی گئی تو بے اختیار آپ کی زبان سے نکل گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ البقرۃ لوگ آپ کو مبارک باد دے رہے تھے اور آپ دونوں گھٹنوں کے درمیان سر رکھے زار زار رو رہے تھے۔

انقلاب حال

مرحوم خلیفہ کی تجہیز و تدفین کے بعد مراسم شاہانہ کے مطابق مختلف قسم کی سواریاں لائی گئیں' دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ کہا گیا ان پر اب تک کوئی سوار نہیں ہوا ہے' جو شخص خلیفہ مقرر ہوتا ہے وہ سب سے پہلے ان

پر سواری کرتا ہے آپ نے اپنا خچر طلب فرمایا اور! ان سواریوں کو بیت المال میں داخل کرا دیا' اسی طرح نئے خیمے پیش کئے گئے تو ان میں بھی قدم نہ رکھا' حکم دیا ان کو بیت المال میں داخل کر دیا جائے' شاہانہ فرش وفروش کو حقارت سے پامال کرتے ہوئے چٹائی تک پہنچے اس پر نشست فرمائی' اور مکلف فرش بیت المال میں داخل کرادیا۔

احساس فرض

لوگ سمجھتے تھے آپ قصر شاہی میں قیام فرمائیں گے لیکن اس میں اب تک مرحوم خلیفہ کے اہل وعیال موجود تھے۔ اس لیے آپ اپنے ہی خیمہ میں اترے چہرے سے تردد اور پریشانی کے آثار ہویدا تھے' لونڈی نے سبب پوچھا تو فرمایا۔ "اس سے زیادہ تشویش کی بات اور کیا ہوگی کہ مغرب و مشرق میں امت محمدیہ کا ایک فرد ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو' اور اس کی اطلاع اور طلب کے بغیر اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو"۔

موجودہ دور جمہوریت اور عوامی حکومت کا دور کہلاتا ہے' کیا آج کے عوامی دور حکومت کے حکمرانوں میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرح احساس ذمہ داری پایا جاتا ہے؟ آج کل کی طرح دوٹوں کے ذریعہ خلفائے راشدین کے انتخابات نہیں ہوتے تھے جن میں لیاقت کی میزان پر فیصلے نہیں ہوتے ہاتھوں کے شمار کے ذریعہ ہوتے ہیں' لیکن جب دنیا شوریٰ کے تصور سے بھی ناآشنا تھی اسلام نے شوریٰ کا تصور دیا' چاروں خلفائے راشدین کا تقرر

خاندانی حکومت یا محض نامزدگی کے اصول پر نہیں ہوگیا' اس میں شوریٰ کا تصور موجود تھا' اور ارباب حل وعقد کی رضامندی ہی کی بنیاد پر کسی کی خلافت کی توثیق ہوتی تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت اسلامیہ کو خاندانی حکومت میں تبدیل کر دیا' حضرت عمربن عبدالعزیزؒ خلفائے بنی امیہ میں امتیازی شخصیت کے حامل تھے' ان کے سامنے اسلام کا شورائی تصور تھا اور ان کا انتخاب قصر خلافت میں اموی خاندان کے اکابر نے خاندانی اصول پر کیا تھا' اس لیے حضرت عمربن عبدالعزیزؒ نے لوگوں کو مسجد میں جمع کر کے خطبہ دیا جس کا ماحصل یہ تھا:

"لوگو! بغیر اس کے کہ مجھ سے رائے طلب کی جاتی' یا میں اس کا طالب ہوتا' یا عام مسلمانوں سے مشورہ لیا جاتا' مجھ پر خلافت کا بار ڈال دیا گیا' لہٰذا تمہاری گردنوں میں میری بعیت کا جو قلادہ ہے اسے میں خود تمہاری گردنوں سے نکال دیتا ہوں۔ تم جسے چاہو اسے اپنا خلیفہ بنالو"۔

ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں۔ "ہم نے آپ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا' ہم آپ کی خلافت سے راضی ہیں"۔

جب لوگوں نے اس طرح بیک آواز آپ کی خلافت کی توثیق کر دی تو آپ نے پھر خطبہ دیا جس میں لوگوں کو تقویٰ' موت کی یاد اور آخرت کی فکر کی طرف توجہ دلانے کے بعد فرمایا: "لوگو! جو شخص خدا کی اطاعت کرے اس کی اطاعت واجب ہے اور جو شخص اس کی نافرمانی کرے اس کی فرمانبرداری

جائز نہیں' میں بھی جب تک خدا کی اطاعت کروں میری اطاعت کرو' اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو میری فرمانبرداری واجب نہیں ہے"۔

تقریباً اسی مضمون کا خطبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے بھی منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد دیا تھا۔

مغضوبہ املاک کی واپسی

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد سب سے پہلا کام لوگوں کی مغضوبہ املاک کی واپسی کا کیا' شاہی خاندان کے پاس ایسی املاک کی جتنی دستاویزیں تھیں ان سب کو سنتے تھے اور خود ان کو قینچی سے کترتے جاتے تھے' اس طرح سارے خاندان کی اور خود اپنی جائیدادیں ختم کر دیں' ایک انگوٹھی کا نگینہ رہ گیا تھا" جو ان کو ولید نے دیا تھا' اسے بھی واپس کر دیا' مزاحم نے فرط تاثر سے سوال کیا۔ "اولاد کی معاشی کا کیا ہوگا؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے' رخساروں پر آنسو جاری ہوگئے فرمایا۔ "میں ان کو خدا پر چھوڑتا ہوں"۔

ایک بادشاہ نے جسے ہر طرح کا اقتدار و تصرف حاصل تھا' عدل وانصاف اور آخرت کی جواب دہی کے خوف سے دیکھتے دیکھتے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو فقیر بنا لیا' کتنا بڑا کلیجہ تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا!

خیبر اور ایک نہر کو اپنے لیے بچا رکھا تھا' اس کی آمدنی ڈیڑھ ہزار دینار سالانہ تھی' خیبر عہد رسالت میں عام مسلمانوں کا حق تھا' حضرت عثمانؓ نے

اپنے عہد خلافت میں اسے مروان کو بخش دیا تھا جو بطور توارث حضرت عمربن عبدالعزیزؒ تک پہنچا تھا' آپ نے اس کو بھی واپس کر دیا' اسی طرح فدک پر بھی مروان نے قبضہ کر لیا تھا' اور وہ بھی بطور میراث حضرت عمربن عبدالعزیزؒ کے قبضے میں تھا۔ آپ نے اس کی وہ حیثیت بھی بحال کر دی جو عہد رسالت میں تھی' آپ کی بیوی فاطمہ کے پاس ایک نہایت قیمتی جواہر تھا جو ان کے باپ خلیفہ عبدالمالک کا عطیہ تھا' آپ نے ان سے فرمایا۔ "یا تو جواہر کو علیحدہ کر دو یا مجھ سے جدا ہو جاؤ انہوں نے جواب دیا"۔ اس سے بھی بیش قیمت جواہرات ہوں تو میں ان کو آپ کی خوشنودی پر قربان کر دوں۔ چنانچہ وہ جواہر بھی بیت المال میں داخل کردیا گیا۔

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانے سے لے کر ان کے زمانے تک جتنی مغضوبہ جائیدادیں بنی امیہ کے قبضے میں تھیں' آپ نے ان سب کو واپس کر دیا اور یہ سلسلہ آخر زندگی تک جاری رہا۔

حضرت امیر معاویہؓ نے خلافت اسلامیہ کو ایسی صورت دیدی تھی' اور اپنے طرز عمل سے بنی امیہ کا ایسا ذہن بنا دیا تھا گویا خلافت اسلامیہ ان کی خاندانی میراث ہے' مصنفین اور اہل قلم کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا ہے جس کے نزدیک اسلامی قدروں کی کوئی مستقل حیثیت ہی نہیں ہے' وہ مسلمانوں کا ایسا ذہن تیار کر رہا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ چونکہ صحابی تھے اس لیے ان کا ہر عمل حق اور بجا تھا' جو اسلامی حکومت کے اقدار کو مانے اور حق کو حق

اور ناحق کو ناحق کہے وہ بدعقیدہ ہے' لیکن حضرت عمربن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اموی خاندان کو جو تزکیہ کیا وہ اس حقیقت کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ وہ امیرمعاویہؓ کے عہد حکومت سے لے کر اپنے زمانے تک کے اموی خاندان کے طرز عمل کو اسلامی اقدار کے خلاف سمجھتے تھے۔

حضرت عمربن عبدالعزیزؒ نے مغضوبہ جائیدادوں کی واپسی کا سلسلہ شروع کیا تو اموی خاندان میں ایک ہلچل' سراسیمگی اور برہمی پیدا ہوگئی لیکن خدا کی ناراضی اور آخرت کے خوف نے حضرت عمربن عبدالعزیزؒ کو ہر ناراضی اور ہر خوف سے بے پروا کر دیا تھا۔

عمربن ولیدبن عبدالملک ایک بدقماش شہزادہ تھا۔ اس نے آپ کو ایک خط لکھا اور آپ کی شان میں دل کھول کر بدکلامیاں کیں' حضرت عمربن عبدالعزیزؒ نے اس کو جو جواب دیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاندان کے خلفاء امراء اور شہزادے کیسے تھے اور اسلامی اخلاق و کردار سے کتنے نیچے گر چکے تھے۔ آپ کا جواب یہ ہے:۔

"تمہاری ابتدائی حالت یہ ہے کہ تمہاری ماں لونڈی ہے جو حمص کے بازاروں میں ماری ماری پھرتی تھی اور شراب کی دوکانوں میں جایا کرتی تھی۔ اس کو ذبیان نے مسلمانوں کے مال سے خریدا اور تمہارے باپ کو ہدیہ دیا' اس سے تم پیدا ہوئے تو کس قدر بری ہے تمہاری ماں اور کس قدر برا ہے اس کا بیٹا' اس کے بعد تم نشوونما پاکر معاند اور ظالم ہوئے تمہارا خیال ہے

کہ میں ظالموں میں سے ہوں' میں نے تم کو اور تمہارے خاندان کو خدا کے مال سے جس میں فقراء ومساکین اور ہواؤں کا حق ہے۔ محروم کر دیا لیکن مجھ سے زیادہ ظالم اور مجھ سے زیادہ خدا کے عہد کو چھوڑنے والا وہ شخص ہے جس نے تم کو لڑکپن اور سفاہت کی حالت میں مسلمانوں کی چھاؤنی کا افسر مقرر کر دیا اور تم اپنی رائے کے موافق فیصلے کرتے رہے' اس تقرر کا محبت پدری کی سوا اور کوئی محرک نہ تھا' پس پھٹکار ہو تم پر اور پھٹکار ہو تمہارے باپ پر' قیامت کے دن تمہارے کتنے مدعی ہوں گے اور تمہارا باپ اپنے مدعیوں سے کیونکر نجات پائے گا؟

مجھ سے زیادہ ظالم اور خدا کے عہد کو توڑنے والا وہ شخص ہے جس نے حجاج کو عرب کے خمس پر مقرر کیا جو حرام خون بہاتا تھا اور حرام مال لیتا تھا' مجھ سے زیادہ ظالم اور خدا کے عہد کو توڑنے والا وہ شخص ہے جس نے قرہ بن شریک جیسے اجڈ اور بدو کو مصر کا عامل مقرر کیا' جس نے راگ' باجہ' لہو ولعب اور شراب خواری کو جائز کر دیا"۔

آپ نے آخر میں لکھا:۔

"اگر تم فروخت کیے جاؤ اور تمہاری قیمت یتیموں' مسکینوں اور بیواؤں پر تقسیم کر دی جائے جب بھی وہ کافی نہ ہوگی کیونکہ تم میں سب کا حق ہے' ہم پر سلام ہو کیونکہ خدا کا سلام ظالموں کو نہیں پہنچتا"۔

ایک بار تمام خاندان نے ہشام بن عبدالملک کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا' اس نے

کہا۔ "آپ اپنی زیر حکومت چیزوں سے متعلق اپنے طریقے پر عمل کیجئے لیکن اہل خاندان کے قدیم حقوق کو قائم رہنے دیجئے"۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا۔

"اگر تمہارے سامنے ایک معاملہ کے دو دستاویز پیش کئے جائیں، جن میں سے ایک معاویہؓ کا لکھا ہوا ہو اور ایک عبدالملک کا تو تم دونوں میں سے کس پر عمل کرو گے؟ ہشام نے کہا جو مقدم ہوگا' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا تو کتاب اللہ سب سے مقدم ہے اور میں اسی پر ہر شخص اور ہر چیز کو جو میرے زیر حکومت ہے یا پہلے خلفاء کے زیر حکومت تھی چلانے کی کوشش کروں گا"۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی گفتگو کے وقت سعید بن خالد بن عمر بن عثمان بھی موجود تھا اس نے آپ کا جواب سننے کے بعد بھی ہشام کے مطالبہ کو دہرایا' آپ نے اس کو اس طرح سمجھایا:۔

"اگر ایک شخص چند چھوٹے بڑے بچے چھوڑ کر مر جائے بڑے چھوٹوں کے مال کھا جائیں اور چھوٹے تم سے داد رسی چاہیں تو تم کیا کرو گے؟ خالد نے کہا۔ میں ان کے حقوق واپس دلا دوں گا آپ نے فرمایا"۔

"میں بھی یہی کر رہا ہوں"۔ خالد بے اختیار بول اٹھا۔ "خدا امیر المومنین کو توفیق عطا فرمائے"۔

خاندان بنی امیہ کو اس طرح کامیابی نہ ہوئی تو خود حضرت عمر بن العزیزؒ

کے صاحبزادے عبدالملک کے ذریعہ آپ کی خدمت میں اپنا پیغام بھیجا گیا' آپ نے فرمایا جا کر کہہ دو۔ میرا باپ کہتا ہے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں"۔

حضرت عمربن عبدالعزیزؒ کے سامنے حق تھا۔ آخرت تھی آخرت کا خوف تھا' بنی امیہ حق سے کتنی دور جا پڑے تھے اور آخرت سے کتنے غافل ہو چکے تھے' انہوں نے حضرت عمربن عبدالعزیزؒ کی پھوپھی کو سفارشی بنا کر بھیجا' پھوپھی نے اہل خاندان کا مطالبہ پیش کرتے ہوئے کہا۔ مجھے خوف ہے کہ وہ بغاوت نہ کریں"۔ آپ نے فرمایا۔ اگر میں قیامت کے دن کے سوا کسی اور دن سے ڈروں تو خدا مجھ کو اس کی برائیوں سے پناہ میں نہ رکھے"۔ اس کے بعد ایک اشرفی آگ پر سرخ کرائی اور اسے گوشت کے ایک ٹکڑے پر رکھا وہ بھن گیا' آپ نے فرمایا۔ پھوپھی! اپنے بھتیجے کے لیے اس قسم کے عذاب سے پناہ مانگئے"۔

غور کیجئے۔ حضرت عمربن عبدالعزیزؒ کے دل میں آخرت کا خوف کس طرح رچ بس گیا تھا' اور اس نے آپ کے فکرونظر اور آپ کے اخلاق و عمل کو کس قدر نکھار دیا تھا۔

بنی امیہ کے خلفاء امراء اور شاہی خاندان کے ارکان کی عاقبت کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے جو دنیا پرستی میں غرق ہوگئے تھے۔ ہم سب کو اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیے کہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔

تاج کمپنی کی شائع کردہ کتاب "اسلامی حکایات" میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی لونڈی کا ایک خواب درج ہے' اس سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخرت سے متعلق خواب کا بھی آپ پر کتنا شدید اثر ہوتا تھا وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خلفائے بنی امیہ کی عاقبت کیسی ہوگی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ایک لونڈی ایک روز سو کر اٹھی تو کہا۔ "امیرالمومنین! میں نے ایک خواب دیکھا ہے؟"۔

امیرالمومنین نے پوچھا۔ "کیا دیکھا ہے؟"۔

لونڈی نے کہنا شروع کیا۔ میں نے دیکھا دوزخ بھڑکائی گئی ہے اور اس پر ایک پل بچھا دیا گیا ہے۔ اس پل کے اوپر سے آپ کے خاندان کے خلفاء کو گزارا جا رہا ہے' خلیفہ عبدالملک کو دیکھا کہ فرشتے ان کو لائے اور وہ پل سے دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گر پڑے۔

امیرالمومنین نے گھبرا کر پوچھا۔ "پھر کیا دیکھا؟"

لونڈی نے کہا۔ "فرشتے ولید بن عبدالملک کو لائے اور وہ بھی آگ میں گر پڑے"۔

آپ نے گھبراہٹ کے ساتھ پوچھا "پھر کیا ہوا؟"

لونڈی نے کہا۔ "پھر آپ لائے گئے"۔

اتنا سننا تھا کہ آپ بے ہوش ہوگئے۔ لونڈی ہر چند کہتی رہی۔ "امیرالمومنین! آپ پل سے بسلامت گزر گئے"۔ لیکن آپ کو ہوش

یہ سن کر آپ نے پر درد لہجے میں فرمایا۔ فاطمہ! تم صرف یہ دیکھ رہی ہو کہ میں ساری سلطنت کا فرمانروا ہوں۔ ذرا اس ذمہ داری کا بھی خیال کرو' جو اس فرمانروائی کی وجہ سے مجھ پر آپڑی ہے' میں روز جزا کی باز پرس کے خوف سے لرزہ براندام رہتا ہوں۔

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ (الانعام) اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو (اس کی پاداش میں) ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

اس جواب میں ایسا درد و سوز تھا کہ فاطمہ بے اختیار رو پڑیں اور خدا سے دعا کرنے لگیں کہ خدایا ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیو۔

ایک بار آپ کا جی انگور کھانے کو چاہا لیکن آپ کے پاس پیسہ نہ تھا۔ بیوی سے کہا۔ انگور کھانے کو جی چاہتا ہے' تمہارے پاس ایک درہم ہے؟ بیوی نے کہا "تم مسلمانوں کے امیر ہو تمہارے پاس ایک درہم بھی نہیں ہے"۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا۔ "ہاں میرے پاس ایک درہم بھی نہیں ہے اور میں اس تہیدستی کو دوزخ کی ہتھکڑیوں سے بہتر سمجھتا ہوں"۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا معمول تھا کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد اپنی صاحبزادیوں سے ملنے جاتے' ایک رات آپ گئے تو صاحبزادیوں نے آپ کو دیکھ کر اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیے اور پیشوائی کے لیے دروازے کی طرف

بڑھیں۔ آپ نے انا سے پوچھا "یہ کیا بات ہے کہ بچیوں نے مجھے دیکھ کر اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیے؟"۔

انا نے جواب دیا۔ "آج گھر میں مسور کی دال اور پیاز کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی' انہوں نے منہ پر ہاتھ رکھ لیے کہ پیاز کی بو سے آپ کو تکلیف نہ ہو۔ یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ رو پڑے' بولے۔ "بچیو! کیا تم اس کو پسند کرتی ہو کہ تم لذیز اور نفیس غذائیں کھاؤ اور تمہارا باپ جہنم میں جھونک دیا جائے؟" اس پر بچیاں اس قدر روئیں کہ گھر غم کدہ بن گیا۔

(رسالہ المسلمون)

ایک مرتبہ کہیں سے بہت سے سیب آئے' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ انہیں مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے اس اثناء میں آپ کا ایک خرد سال بچہ آگیا اور ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا' آپ نے اس کے منہ سے سیب چھین لیا' وہ روتا ہوا ماں کے پاس گیا' ماں نے رونے کی وجہ پوچھی بچہ نے واقعہ بیان کیا ماں نے بازار سے سیب منگا دیا' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اندر تشریف لے گئے تو سیب کی خوشبو محسوس ہوئی' فاطمہ سے پوچھا۔ "یہ سیب کی بو کیسی ہے کوئی سرکاری سیب تو اندر نہیں آیا ہے؟" انہوں نے واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! میں نے سیب بچے کے منہ سے نہیں چھینا تھا' اپنے دل سے چھینا تھا لیکن میں نے اسے پسند نہ کیا کہ مسلمانوں کے ایک سیب کے بدلے مجھے خدا کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا پڑے"۔

نماز و تلاوت قرآن میں خوف آخرت

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دل خوف آخرت سے اس طرح معمور اور لرزاں و ترساں رہتا تھا تو آپ نماز و عبادت کا کتنا اہتمام رکھتے ہوں گے' نماز پنج گانہ بڑی پابندی کے ساتھ ادا فرماتے' مسجد کی جانب گھر میں ایک جھروکہ بنوایا تھا' مؤذن اذان میں دیر کرتا تو آپ آدمی بھیج کر اذان کہلواتے' ان کی نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا نمونہ ہوتی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو مشہور صحابی ہیں اور بچپن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں رہے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

آپ کی شب گزاری کے متعلق متعدد بیانات ملتے ہیں' ایک بیان کے مطابق آپ نصف شب تک امور خلافت کی انجام دہی میں مصروف رہتے اس کے بعد علماء و فضلاء کی مجلس منعقد ہوتی اور رات کا پچھلا حصہ عبادت و دعا اور گریہ و زاری میں گزرتا۔ علماء و فضلا کی مجلس میں بھی موت اور آخرت ہی کا ذکر ہوتا جس میں آپ اس طرح روتے جیسے سامنے جنازہ رکھا ہو۔

قبر کا معاملہ ہوتا یا قیامت کا معلوم ہوتا جیسے آپ اسے آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں' قبر کی ہولناکیوں کا ذکر کرتے تو آپ پر اتنا اثر ہوتا کہ آپ

بے ہوش ہو جاتے' ایک بار اپنے ہم جلیس سے قبر کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرنے لگے تو فرمایا اگر تم مردے کو تین دن کے بعد قبر میں دیکھو تو انس و محبت کے باوجود اس کے پاس جاتے ہوئے ڈرو' تم قبر کو ایک ایسا گھر دیکھو گے جس میں خوش و ضنعی' خوش لباسی اور خوشبو کے بعد کیڑے رینگ رہے ہیں پیپ بہہ رہی ہے اور اس میں کیڑے تیر رہے ہیں' بدبو پھیل رہی ہے' کفن بوسیدہ ہو چکا ہے' یہ کہتے کہتے آپ کی ہچکی بندھ گئی اور بے ہوش ہو کر گر پڑے' ان کی اہلیہ نے پانی چھڑکا تو ہوش میں آئے۔

یزید بن حوشب کا بیان ہے کہ میں نے حسن بصریؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ سے زیادہ کسی کو قیامت سے ڈرنے والا نہیں دیکھا وہ ایسے خوف زدہ رہتے تھے گویا دوزخ انہیں کے لیے بنائی گئی ہے۔

ایک بیان کے مطابق کبھی کبھی مسجد ہی میں رات گزر جاتی' نماز عشاء کے بعد ایک تنہا مقام پر بیٹھ جاتے اور رو رو کر دعائیں کرتے' نیند کا غلبہ ہوتا تو آنکھ لگ جاتی' آنکھ کھلتی تو پھر دعا وگریہ کا سلسلہ شروع ہو جاتا' اسی طرح جاگتے سوتے رات گزر جاتی۔

رات کی عبادت کے لیے گھر میں ایک حجرہ بھی مخصوص کر رکھا تھا' اس میں کمل کے کپڑے رکھے رہتے' آپ رات کے پچھلے پہر اس حجرے میں داخل ہوتے تو معمولی کپڑے اتار کر انہیں پہن لیتے دوسرے لفظوں میں دنیا کا یہ جلیل القدر بادشاہ مالک الملک کے سامنے فقیر بے نوا بن جاتا' اس

کے سامنے روتا گڑگڑاتا اور صبح حجرے سے نکلتا تو اپنے معمولی کپڑے پہن لیتا۔

جو قرآن عزیز ہم سب بھی پڑھتے ہیں ہم پر کوئی اثر نہیں ہوتا اس لیے کہ ہمارے دل پتھر سے بھی سخت ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اسی قرآن شریف کی وہ آیتیں پڑھتے جن میں قیامت کا ذکر ہوتا تو ان کے سامنے قیامت گویا رونما ہو جاتی' ایک بار آپ تہجد کی نماز میں سورۃ "وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى" پڑھنے لگے' جب آیت "فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى" (پس میں تم بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈراتا ہوں) پڑھی تو آپ پر گریہ طاری ہوگیا۔ یہاں تک کہ گریہ کی شدت سے سلسلہ قرات موقوف ہوگیا۔

ایک بار گھر والوں نے دیکھا کہ ان کی اہلیہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہیں۔ بھائیوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بیان کیا کہ رات کو میں نے امیرالمومنین کو بڑی دل گداز حالت میں دیکھا' وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے یہ آیت پڑھی کہ:۔

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ○ جس دن انسان ہو جائیں گے پراگندہ پتنگوں کی طرح اور پہاڑ ہو جائیں گے دھنی ہوئی اون کے جیسے

تو چیخے "واسواء صبا حاہ" پھر اچھلے اور اچھل کر اس طرح

گرے کہ معلوم ہوا دم توڑ رہے ہیں' پھر نعرہ "واساء صبا حاہ" پھر اچھلے اور تمام گھر میں پھر پھر کر کہنے لگے۔ "ہائے وہ دن جس دن انسان پر آگندہ پتنگوں کی طرح اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے"۔ پھر گرے اور ایسی حالت ہوگئی کہ میں نے سمجھا کام تمام ہوگیا یہاں تک کہ مؤذن نے فجر کی اذان دی تو ہوش میں آئے۔

ایک روز تلاوت کرتے ہوئے یہ آیت پڑھی۔

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْؤُلُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت) (قیامت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا) ان (کافروں) کو روکو۔ ان سے ان کے (اعمال) کی پوچھ گچھ ہوگی۔ تو بار بار اسی آیت کو دہراتے رہے۔ آگے نہ بڑھ سکے۔

ایک روز خطبہ کے دوران منبر پر یہ آیت پڑھی۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (الانبیاء ۴۷) ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے۔

تو فرط خوف سے اس طرح جھک پڑے گویا فرش پر آ رہیں گے۔ ہمارے سامنے پہاڑ پھٹتے ہیں' آگ کا سیلاب ابل پڑتا ہے اور شہر کے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے' زلزلہ آتا ہے خطے کے خطے زیروزبر ہو جاتے ہیں' بارش ہوتی ہے اور اس کی شدت اور سیلاب سے قیامت رونما ہو جاتی ہے' ہوا کا طوفان آتا ہے شہروں اور بستیوں کو تباہ کر دیتا ہے لیکن ہم اللہ سے ڈرتے نہیں' ہم سائنس دان جو ہوگئے ہیں' ہم کو سب کی سائنسی

توجیہہ جو معلوم ہوگئی ہے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی سائنسدان تھے' وہ جانتے تھے کہ اس سائنس کے پیچھے ایک با اختیار اور کار فرما ہاتھ ہے' یہ سب کچھ اس کے ارادے اور حرکت سے ہوتا ہے' چنانچہ ایک بار زور سے ہوا چلی تو چہرے کا رنگ سیاہ ہوگیا' ایک شخص نے وجہ پوچھی تو فرمایا۔ "دنیا کی جو قوم بھی تباہ ہوئی ہے ہوا ہی کے ذریعہ تباہ ہوئی ہے"۔

رات میں سونے کی نوبت تو کم ہی آتی تھی' اگر کبھی سوتے تو سونے سے پہلے درد انگیز لہجہ میں یہ آیت پڑھتے۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ

الاعراف ۹۷ کیا بستی والے اس بات سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ ہمارا عذاب رات کی رات آجائے اور وہ سو رہے ہوں۔

مرض الموت میں خوف آخرت

حیف ہے بنی امیہ پر' اتنے نفس پرست اور آخرت فراموش ہو چکے تھے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو برداشت نہ کر سکے جن کی ذات ان کے اور ان کے خاندان بلکہ امت مسلمہ کے لیے وجہ نازش تھی' وہ سمجھتے تھے کہ آپ کی خلافت جتنی طویل ہوگی اتنی ہی دنیا ان پر تنگ ہوتی جائے گی۔ اس لیے بنی امیہ نے آپ کے ایک غلام کو ایک ہزار دینار رشوت دے کر اور اسے آزاد کرنے کا وعدہ کر کے آپ کو زہر دلوا دیا۔ آپ کے صبر و ضبط

اور حلم وعفو کا یہ حال تھا کہ آپ کو زہر کا اثر محسوس ہوگیا اور دریافت کرنے پر غلام نے اپنا جرم قبول بھی کر لیا لیکن آپ نے صرف اتنا کیا کہ اس سے رشوت کا ایک ہزار دینار واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیا اور اسے آزاد کر کے حکم دیا کہ وہ دور چلا جائے۔

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا تو آپ کے بعد یزید بن عبدالملک کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔ اس لیے جب آپ کو زندگی کی امید باقی نہ رہی تو اسے بلا کر ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا جس میں لکھا۔ تم کو معلوم ہے کہ خلافت کے معاملہ میں خدا مجھ سے سوال کرے گا اور اس کا حساب لے گا اور میں اس سے کسی کام کو چھپا نہ سکوں گا' خدا فرماتا ہے۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝ الاعراف ۷

ہم ان کو اپنے علم کی بنا پر (ان کا حال) سناتے ہیں اور (وہ جس وقت کوئی عمل کر رہے تھے) ہم غیر حاضر نہ تھے۔

اگر خدا مجھ سے راضی ہوگیا تو میرے لیے کامیابی ہے' مجھے ایک طویل عذاب سے نجات مل جائے گی اور اگر خدا مجھ سے ناراض ہوا تو میرے انجام پر افسوس ہے میں اس خدا سے جس کے سوا کوئی خدا نہیں دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی رحمت سے دوزخ کے عذاب سے نجات دے اور اپنی رضامندی سے جنت عطا فرمائے تم کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیے اور رعایا کا

خیال رکھنا چاہیے' کیونکہ میرے بعد تم بھی صرف تھوڑے ہی دن زندہ رہو گے' تم کو اس سے احتراز کرنا چاہیے کہ تم سے غفلت میں ایسی لغزش سر زد ہو جس کی تلافی نہ کر سکو"۔

آپ کے بعد آپ کی اولاد کی معاش کا سامان باقی نہ رہ گیا تھا اس لیے وفات سے کچھ عرصہ پہلے اپ کے سالے مسلمہ بن عبدالملک نے آپ سے عرض کیا۔ امیرالمومنین آپ نے مال و دولت سے ہمیشہ اپنی اولاد کا منہ خشک رکھا اور اب ان کو بالکل خالی ہاتھ چھوڑے جاتے ہیں ان کے متعلق مجھے یا خاندان کے کسی اور فرد کو کچھ وصیت کرتے جایئے"۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا مجھے ٹیک لگا کر بٹھاؤ' پھر فرمایا۔ "تم کہتے ہو کہ میں نے مال سے ہمیشہ اپنی اولاد کا منہ خشک رکھا' خدا کی قسم! میں نے ان کا کوئی حق تلف نہیں کیا' البتہ جس مال میں ان کا حق نہ تھا وہ ان کو نہیں دیا' تم کہتے ہو ان کے متعلق کسی کو وصیت کر جاؤں تو میرا وصی اور ولی میرا خدا ہے جو صلحاء کا ولی ہوتا ہے میرے لڑکے اگر خدا سے ڈریں گے تو خدا ان کے لیے کوئی سبیل نکال دے گا' اور اگر وہ گناہ میں مبتلا ہوں گے تو میں مال دے کر ان کو گناہ کے لیے اور قوی نہ بناؤں گا" پھر انہوں نے اپنے بچوں کی طرف جو ان کے پاس ہی بیٹھے تھے' ایک بار نیچے سے اوپر تک دیکھا پھر اشک آلود آنکھوں سے فرمایا:۔

"میرے جگر کے ٹکڑو! میں نے تمہارے لیے کچھ نہیں چھوڑا' لیکن

خدا کا شکر ہے کہ میں نے تم کو اچھی حالت میں چھوڑا"۔

بچو! تم کو کوئی ایسا عرب اور ذمی نہ ملے گا جس کا تم پر حق ہو' میرے جگر کے ٹکڑو! دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی ایک یہ کہ تم دولت مند ہو جاؤ اور تمہارا باپ دوزخ میں جائے' دوسری یہ کہ تم تہی دست رہو اور تمہارا باپ جنت میں داخل ہو' ان دونوں میں سے اس نے یہ پسند کیا کہ تم تہی دست رہو اور وہ جنت میں جائے' بس خدا حافظ خدا تم کو حفظ وامان میں رکھے' وہ تمہارا رزق رساں ہو' میں نے تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا ہے جس نے قرآن نازل کیا اور جو تمام نیکو کاروں کا ولی کار ساز ہے"۔

اس موقعہ پر مسلمہ بن عبدالملک نے ایک لاکھ درہم اس غرض سے حضرت عمربن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں پیش کیے کہ وہ ان کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیں۔

آپ نے فرمایا۔ "میری ایک بات مانو گے؟"

عرض کیا۔ "جی ہاں"

فرمایا۔ "یہ رقم ان لوگوں کو واپس کر دو جن سے یہ از راہ ظلم حاصل کی گئی ہے"۔

مسلمہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ انہوں نے روتے ہوئے کہا۔ "امیرالمومنین! اللہ آپ پر رحم فرمائے' آپ نے ہمارے دلوں میں

رقت اور نرمی پیدا کی اور صالحین میں ہمارے ذکر جمیل کا نقش قائم کیا"۔

آپ کے انتقال کے وقت مسلمہ نے کہا۔ "آپ نے کفن کے لیے جو رقم دی تھی اس سے بہت معمولی کپڑا خریدا جا سکا ہے' آپ اجازت دیجئے کہ اس سے اچھا کفن منگا لیا جائے"۔

آپ نے فرمایا۔ "وہ کپڑا میرے پاس لاؤ"۔

کپڑا لایا گیا آپ نے اسے ایک نظر دیکھا' پھر فرمایا۔ اگر میرا رب مجھ سے راضی ہے تو مجھے اس کی طرف اس سے بہتر کفن مل جائے گا اور اگر میرا رب مجھ سے ناراض ہے تو جو کفن ہوگا وہ بھی ایک جھٹکے سے دور کر دیا جائے گا اور اس کی جگہ جہنم کی آگ کا کفن پہنا دیا جائے گا"۔

آپ کی وفات کے سلسلے میں آپ کی اہلیہ فاطمہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے آپ سے کہا۔ "آپ سوئے نہیں ہیں میں آپ کے پاس سے ہٹ جاؤں شاید آپ کو نیند آ جائے' یہ کہہ کر میں دوسرے کمرے میں چلی گئی' وہاں سے میں نے سنا' آپ بار بار اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٨٣﴾ القصص یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو زمین میں نہ تفوق چاہتے ہیں نہ فساد کرتے ہیں اور عاقبت صرف پرہیز گاروں کے لیے ہے۔

اس کے بعد آپ نے گردن جھکا لی اور کافی دیر تک کسی قسم کی حرکت

دیکھنے میں نہ آئی' میں نے تیمار دار خادم سے کہا۔ جا کر دیکھو آپ کا کیا حال ہے؟ خادم آپ کو دیکھتے ہی چیخ اٹھا' فاطمہ نے قریب جا کر دیکھا تو خدا کا یہ محبوب بندہ خدا کی طرف کوچ کر چکا تھا۔

اس آفتاب کے غروب ہونے کے بعد امت مسلمہ میں بڑے چھوٹے ستارے تو نمودار ہوتے رہے لیکن پھر ایسا آفتاب طلوع نہ ہوا' حضرت امام حسن بصریؒ نے آپ کی وفات کی خبر سنی تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر کہا۔ "اے ہر نیکی کے مالک"۔ حضرت امام نے دو لفظوں میں وہ سب کہہ دیا' جو امیرالمومنین حضرت عمربن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں کہا جا سکتا ہے' علامہ ذہبی آپ کی خلافت کے پہلے کے حالات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ "لیکن جب خلیفہ ہوئے تو خدا نے ان کو بالکل نئے قالب میں بدل دیا' وہ عدل میں اپنے نانا جان عمر رضی اللہ عنہ کے' زہد میں حسن بصریؒ کے اور علم میں امام زہریؒ کے مثل ہوگئے"۔

حضرت عمربن عبدالعزیزؒ کے اعلیٰ کردار کا اثر کہاں تک پہنچ چکا تھا۔ محمد بن معید کا بیان ہے کہ میں شاہ روم کے یہاں گیا تو وہ نہایت مغموم حالت میں بیٹھا تھا' میں نے اس کی حالت دریافت کی' بولا تم کو معلوم نہیں مرد صالح کا انتقال ہوگیا' میں نے پوچھا وہ کون تھے؟

اس نے کہا۔ "عمربن عبدالعزیزؒ" عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اگر کوئی مردے کو زندہ کر سکتا تو وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی ہوتے' مجھے اس

راہب کی حالت پر کوئی تعجب نہیں' جس نے دنیا کی طرف سے اپنا دروازہ بند کر لیا ہو اور عبادت میں اپنے کو محور رکھتا ہو مجھے اس شخص کی حالت پر تعجب ہے جس کے قدموں کے نیچے دنیا تھی اور اس نے اس کو پامال کر کے راہبانہ زندگی بسر کی"۔

مجاہد کہتے ہیں کہ دوران سفر میں ایک نبطی سے ملاقات ہوئی' اس نے پوچھا تم کہاں سے آ رہے ہو؟ عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات کے وقت موجود تھے؟ میں نے کہا۔ ہاں۔ یہ سن کر وہ رو پڑا' اور ان کے لیے رحمت کی دعا کی۔ میں نے کہا۔ "تم ان کے لیے رحمت کی دعا کیوں مانگتے ہو' وہ تو مسلمان تھے؟"

اس نے کہا۔ "میں ان پر نہیں روتا۔ زمین کے اس نور کو رو رہا ہوں جو بجھ گیا"۔

محبت رسول

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اللہ تعالیٰ نے جن دینی و ایمانی نعمتوں سے نوازا تھا۔ ان میں نہ صرف حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے محبت تھی بلکہ حضورؐ کے اہل بیت اور حضورؐ سے تعلق رکھنے والی اشیاء تک سے محبت تھی۔

حضورؐ کی چارپائی' گدا' چادر' پیالہ' عصا' ترکش آپ کے پاس محفوظ تھے آپ روزانہ ان کی زیارت کرتے اور کبھی قریش کا مجمع ہوتا تو ان کو بھی

زیارت کراتے' حضورؐ کے تعلق سے اہل بیت اور ان کے متوسلین سے بھی محبت و عقیدت رکھتے تھے' آپ کی خلافت سے پہلے امیر معاویہؓ کے وقت سے خطبہ جمعہ میں علی رضی اللہ عنہ کو برے کلمات کے ساتھ یاد کیا جاتا تھا' آپ نے ان کلمات کو خطبے سے جدا کر دیا۔ ایک بار آپ کی مجلس میں زہاد کا ذکر ہو رہا تھا' آپ نے فرمایا دنیا میں سب سے زیادہ زاہد حضرت علیؓ تھے۔

آپ اپنی خلافت کے پہلے ہی سے حضرات اہل بیت سے محبت کرتے تھے چنانچہ مدینہ میں آپ کی گورنری کے زمانہ میں ایک بار حضرت فاطمہ بنت علیؓ کسی ضرورت سے آئیں تو آپ نے پہرہ داروں اور غلاموں کو ہٹا دیا اور ان کو تنہائی میں لے جا کر فرمایا۔ "اے علی کی صاحبزادی! تمہارے خاندان سے زیادہ مجھے اور کوئی خاندان عزیز نہیں ہے' تم خود مجھے میرے خاندان سے زیادہ عزیز ہو"۔ ایک بار حضرت علیؓ کے آزاد کردہ غلام زریق آپ کے پاس آئے' کہا میں مدینے کا رہنے والا ہوں' مجھے قرآن مجید اور فرائض یاد ہیں لیکن بیت المال کے رجسٹر میں میرا نام نہیں ہے' انہوں نے پوچھا تم کس طبقہ سے تعلق رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ حضرت علی کا آزاد کردہ غلام ہوں' حضرت علیؓ کا نام سن کر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے انہوں نے فرمایا میں خود علیؓ کا غلام ہوں' پھر آپ نے اپنے غلام مزاحم سے دریافت فرمایا کہ ایسے لوگوں کو کتنا وظیفہ دیا جاتا ہے' انہوں نے بتایا سو یا دوسو درہم' آپ نے فرمایا ان کو حضرت علیؓ سے نسبت ہے ان کو

پچاس دینار دو' (سیرت عمربن عبدالعزیزؒ مولفہ مولانا عبدالسلام ندوی)

عقیدہ آخرت کی قوت موثرہ

عقیدہ' آخرت کی قوت موثرہ پر غور کیجئے حضرت عمربن عبدالعزیزؒ کون تھے؟ کیسے خاندان میں پیدا ہوئے تھے؟ کن لوگوں میں ان کی پرورش ہوئی تھی؟ خلافت سے پہلے ان کی زندگی کیسی تھی؟ ان کو جو خلافت و حکومت ملی تھی اس کا کیا حال تھا؟ ان سے پہلے کے خلفاء کیسے تھے؟ عقیدہ آخرت نے حضرت عمربن عبدالعزیزؒ کو کیا سے کیا بنا دیا تھا؟ اور انہوں نے کیا سے کیا بنا دیا خلافت کو؟ بنوامیہ کی حکومت کا نام تو تھا۔ خلافت اسلامیہ لیکن انہوں نے اس کو بنا دیا تھا جابرانہ ملوکیت و سلطنت' جس میں ظلم و عدوان تو عام تھا اور عدل و قسط عنقا' اسلام کے نام سے خلافت قائم تھی اور اسلام دم توڑ رہا تھا' یہ عقیدہ آخرت کی ہی قوت موثرہ تھی جس نے حضرت عمربن عبدالعزیزؒ کو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا نمونہ بنا دیا تھا اور انہوں نے بحدوسعت اموی حکومت کو خلافت راشدہ!

خیرالتابعین حضرت اویس قرنیؒ

حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ یمن کے باشندے تھے اور قبیلہ مراد سے تعلق رکھتے تھے' آپ بڑی شان کے بزرگ تھی' تابعین کے پورے گروہ میں آپ کو جو امتیاز حاصل تھا وہ کسی دوسرے کو حاصل نہ تھا۔ آپ

عہد رسالت میں موجود تھے۔ مگر محبت الٰہی میں کچھ اس طرح کھوئے ہوئے تھے کہ بارگاہ رسالت میں حاضر نہ ہو سکے' حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت رکھتے تھے اور باطنی طور پر ان کو حضورؐ سے اس درجہ قربت حاصل تھی کہ خود حضورؐ نے ان کو "خیرالتابعین" کے لقب سے یاد فرمایا۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت اویس قرنیؒ کی شخصیت سے مطلع فرما دیا تھا اور ان کی علامت بھی بتا دی تھی' صحیح مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا کہ ایک شخص قبیلہ مراد سے ہے' اس کا نام اویس ہے' وہ خیرالتابعین ہے' یمن سے تمہارے پاس جو امداد آئے گی اس میں وہ بھی ہوگا' اس کے جسم پر برص کے داغ ہیں جو مٹ چکے ہیں' صرف وہ کسی بات کے لیے خدا کی قسم کھاتا ہے تو خدا اس قسم کو پوری کر دیتا ہے' اگر تم اس کی دعائے مغفرت لے سکو تو لینا۔

ذرا اندازہ تو کیجئے یہ نادیدہ عاشق رسولؐ کس درجہ پر فائز تھے' امیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ تم ان سے دعائے مغفرت حاصل کر سکو تو ضرور حاصل کرنا حالانکہ حضرت عمر خود اصحاب شجرہ اور اصحاب عشرہ مبشرہ میں ہیں۔

زبان رسالتؐ سے حضرت اویسؓ کے یہ فضائل و مراتب سن کر حضرت

عمرؓ کے دل میں اس عالی مرتبہ شیفتہ رسولؐ کی ملاقات کا شوق بھڑک اٹھا تھا' اور آپ برابر حضرت اویسؓ کی تلاش میں رہے' چنانچہ آپ کے عہد خلافت میں جب روم و شام کی سلطنتوں سے اسلامی افواج نبرد آزما تھیں۔ یمن سے فوجی امداد آئی تو آپ تلاش کرتے کرتے حضرت اویس کے پاس پہنچے اور پوچھا' تم اویس ہو؟ انہوں نے کہا' ہاں۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان سے باری باری وہ تمام علامتیں دریافت کیں جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔ ان سب کی تصدیق ہونے پر حضرت عمرؓ نے انہیں اس بشارت سے آگاہ کیا جو آپ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اویس کے متعلق سنی تھی' پھر ان سے اپنے لیے دعائے مغفرت کی اور کوفہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا' حضرت اویسؓ نے فرمایا۔ میں عوام کے زمرہ میں رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

کوفہ جا کر اویس قرنیؓ نے ایک بوسیدہ جھونپڑے میں بودوباش اختیار کی اور اپنے کو اہل دنیا سے چھپانے کے لیے نہایت خستہ حال رہتے تھے یہاں تک کہ اکثر آپ کے جسم پر پورے کپڑے بھی نہ ہوتے۔

آپ کی یہ حالت دیکھ کر ظاہر ہے عوام آپ کے مرتبہ کو نہ سمجھتے' آپ کے ساتھ تمسخر اور استہزا کر کے پریشان کرتے' لیکن جو آپ کے فضائل و مراتب سے واقف تھے وہ آپ سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے دور دور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

حضرت ہرم بن حیان رحمتہ اللہ علیہ خود ایک ممتاز تابعی تھے' لیکن ان کو حضرت اویس کی زیارت اور ان سے فیض حاصل کرنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ چنانچہ وہ اسی غرض سے کوفہ گئے اور آپ کو تلاش کرتے ہوئے دریائے فرات کے کنارے جا نکلے۔ دوپہر دن کا وقت تھا' دیکھا ایک شخص وضو کر رہا ہے حضرت ہرم بن حیانؒ حضرت اویسؒ کے اوصاف سے واقف تھے۔ اس لیے آپ نے ان کو پہچان لیا۔ سر منڈا ہوا تھا داڑھی گھنی تھی' بدن پر صوف کا ازار تھا اور صوف ہی کی ایک چادر تھی' چہرے سے وحشت نمایاں تھی' انہوں نے قریب جا کر سلام عرض کیا' انہوں نے جواب میں کہا۔ خدا تم کو زندہ رکھے۔ حضرت ہرم نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو انکار کر دیا اور پھر فرمایا۔ خدا تم کو زندہ رکھے' خاصان خدا کی باتیں کیسی ہوتی ہیں' آیئے دل کے کانوں سے سنیں' ہمارے لیے ان میں کتنی موعظتیں اور کتنی عبرتیں ہیں۔

حضرت ہرم بن حیانؒ نے کہا۔ "اویسؒ تم پر خدا کی رحمت ہو اور وہ تمہاری مغفرت فرمائے تمہارا یہ کیا حال ہے۔ اتنا بزرگ اور اتنا شکستہ حال؟"

حضرت ہرم بن حیان کو رونا آ گیا' حضرت اویسؒ بھی رونے لگے۔ بولے۔ "ہرم بن حیانؒ خدا تم پر رحم فرمائے' میرے بھائی تم کیسے ہو؟ تم کو میرا پتہ کس نے بتا دیا؟" کہا۔ "خدا نے"۔ حضرت ہرم نے پوچھا۔ "آپ نے میرا اور میرے باپ کا نام کیسے جان لیا؟ میں نے تو آج سے پہلے آپ کو

دیکھا تک نہ تھا"۔

فرمایا--- خدائے علیم و خبیر نے بتایا' جس وقت تمہارے نفس نے میرے نفس سے باتیں کیں اسی وقت میری روح نے تمہیں پہچان لیا"۔

حضرت ہرم بن حیان نے درخواست کی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث روایت کیجئے جسے سن کر یاد کر لوں' فرمایا۔ "مجھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر نہ ہوئی' البتہ آنحضورؐ کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے اور تم لوگوں کی طرح مجھے بھی حضورؐ کی حدیثیں پہنچی ہیں لیکن میں اپنے لیے یہ دروازہ کھولنا نہیں چاہتا کہ محدث' مفتی یا قاضی بنوں' مجھے اپنے نفس کے متعلق بہت سے کام ہیں"۔

خاصان خدا کی منزلت کی خاصان خدا ہی پہچانتے ہیں' حضرت ہرم بن حیانؒ نے کہا۔ "پھر قرآن کریم کی کچھ آیات ہی سنا دیجئے' میں آپ سے محبت کرتا ہوں مجھے آپ کی زبان سے کلام پاک سننے کا بڑا اشتیاق ہے۔ میرے لیے دعا بھی کیجئے' اور کچھ نصیحت بھی کیجئے جس کو میں یاد رکھوں' حضرت اویسؒ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور جیسے ہی زبان سے نکلا۔ "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ"○ چیخ مار کر رو پڑے' فرمایا۔ "میرے رب کا ذکر بلند ہے اسی کا قول سب کے قول سے بلند ہے' اسی کی بات سب کی بات سے زیادہ سچی ہے اسی کا کلام سب کے کلام سے زیادہ بہتر ہے"۔ پھر سورۃ دخان کی یہ آیتیں تلاوت کیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا
لٰعِبِيْنَ۔ مَاخَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ
الدخان
۳۸ ۳۹ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے ان کو کھیل
نہیں بنایا۔ ہم نے ان کو تدبیر سے پیدا کیا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے
کچھ

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ يَوْمَ لَا يُغْنِىْ
مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ
الدخان
اللّٰهُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ شک نہیں کہ فیصلے کا وقت ان سب
کے اٹھنے کا مقرر وقت ہے' جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہ
آئے گا اور نہ ان کو کوئی مدد ملے گی مگر جس پر خدا رحم کرے' بلاشبہ وہ
بڑے غلبے والا اور مہربان ہے۔

پھر خاموش ہوگئے' میں نے سمجھا بے ہوش ہوگئے' پھر فرمایا۔ "ہرم بن
حیان! تمہارے باپ مرگئے' عنقریب تم کو بھی مرنا ہے' ابوحیان مرچکے' ان
کے لیے جنت ہے یا دوزخ! ابن حیان آدم مرگئے' حوا مرگئیں۔ ابن حیان!
نوحؑ اور ابراہیمؑ خلیل الرحمن مرگئے' ابن حیان! موسیٰ نجی الرحمٰن مرگئے
ابن حیان! داوٗد خلیفے الرحمٰن مرگئے' ابن حیان! محمد رسول الرحمٰن مر
گئے' ابن حیان! بوبکر خلیفتہ المسلمین مرگئے' ابن حیان! میرے بھائی عمرؓ مر
گئے' یہ کہہ کر۔ "واعمراہ" کا نعرہ مارا!

حضرت عمرؓ اس وقت تک حیات تھے۔ ہرم بن حیانؒ نے کہا۔ خدا آپ پر رحم فرمائے' وہ تو ابھی زندہ ہیں' فرمایا۔ میں نے جو کچھ کہا اسے سمجھو' تو تمہارا شمار بھی مردوں میں ہے' اس کے بعد درود پڑھا پھر چند دعائیں پڑھ کر کہا۔ ہرم بن حیان کتاب اللہ کو صلحائے امت کی ملاقات کو اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کو لازم سمجھو' یہ میری وصیت ہے میں نے اپنی موت کی بھی خبر دی اور تمہاری موت کی بھی خبر دی' موت کو ہر وقت یاد رکھنا' ایک لمحہ بھی اس سے غافل نہ ہونا' واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرانا' اور اپنی ذات کی لیے کوشش کرتے رہنا' ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں تم سے تمہارا دین چھوٹ جائے اور قیامت میں تم کو دوزخ کی آگ سے دو چار ہونا پڑے' پھر فرمایا۔ "خدایا۔ اس شخص کا خیال ہے کہ وہ تیرے لیے مجھ سے محبت کرتا ہے اور تیرے ہی لیے میری ملاقات کو آیا' خدایا جنت میں مجھے اس کو پہچنوانا اور اپنے گھر دارالسلام میں مجھے اس سے ملانا"۔

دعاؤں کے بعد فرمایا۔ "ہرم بن حیان! اب میں تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں آج کے بعد پھر میں تم کو نہ دیکھوں' نہ تم مجھے پوچھنا نہ تلاش کرنا' تمہاری یاد ہمیشہ مرے دل میں رہے گی' لیکن نہ تم مجھ کو دیکھو گے اور نہ میں تم کو دیکھوں گا' مجھے یاد رکھنا اور میرے لیے دعائے خیر کرتے رہنا' میں بھی تم کو یاد رکھوں گا اور تمہارے لیے دعائے خیر کرتا رہوں گا"۔

" یہ کہہ کر ایک طرف چل پڑے' حضرت ہرم بن حیانؒ نے چاہا تھوڑی دور اور ان کے ساتھ رہیں لیکن انہوں نے منظور نہ فرمایا اور دونوں بزرگ روتے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔

حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ جیسے بزرگ بھی جو اپنے خدا کے ہو کر رہ گئے تھے اور اپنے کو مخلوق سے چھپائے رکھتے تھے' شہادت کا شوق رکھتے تھے' اور کتنی سوچ کی بات ہے کہ کہ شہید ہوئے جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں' حضرت امیرمعاویہؓ کی فوج سے لڑتے ہوئے۔ حضرت علیؓ کے مقابلے میں حضرت امیرمعاویہؓ کو حق پر ثابت کرنے والوں کو خدا نیک سمجھ دے۔

حضرت حسن بصریؒ

اسلام سے پہلے عرب میں غلاموں کی حیثیت حیوانوں سے کچھ ہی اونچی تھی اسلام نے ان کے لیے آزادی' فضل و کمال اور عزت و بزرگی کے دروازے کھول دیئے اور وہ اپنے فضل و کمال اور تقویٰ و پرہیزگاری سے امت کے امام اور پیشوا بن گئے' حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے والد لسیار حضرت زید بن ثابتؓ کے غلام تھے اور ماں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی لونڈی تھیں۔ اس لیے حضرت حسن بصریؒ کی پرورش بیت رسول میں ہوئی ان کی ماں کام کاج میں مصروف رہتیں اور وہ رونے لگتے تو حضرت ام

سلمہؓ ان کو گود میں اٹھا لیتیں اور ان کو چپ کرانے کے لیے ان کے منہ میں دودھ دے دیتیں۔

۔۔۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مبارک زمانہ تھا' ہر طرف دینی علوم کے چشمے موجزن تھے' ان کے فیض سے. حضرت حسن بصریؒ تفسیر' حدیث' فقہ' زبان و ادب سب میں درجہ امامت پر فائز ہوگئے' آپ کے معاصرین کرام اور بعد کے اکابر سب نے آپ کے عملی و علمی فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ ظاہری علوم کے ساتھ باطنی اسرار و معارف کے بھی راز داں تھے۔ تصوف و روحانیت کے تمام سلسلے آپ ہی کے واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتے ہیں۔

حضرت امام شعبی خود بڑے صاحب فضائل بزرگ تھے۔ ستر صحابہؓ کی زیارت سے مشرف تھے۔ آپ سب سے زیادہ قدرو منزلت حضرت حسن بصریؒ کی کرتے تھے ایک بار حضرت شعبیؒ کے صاحبزادے نے اس کی وجہ پوچھی تو بتایا "بیٹے میں نے ستر صحابہؓ کو دیکھا ہے حسنؒ سے زیادہ کسی کو ان کے مشابہ نہیں پایا"۔

حضرت حسن بصریؒ کا دل سوز و گداز سے لبریز تھا۔ ان کے ایک واقف حال جن کا نام یونس بن عبید تھا بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسنؒ پر ہر وقت

حزن و غم کی حالت طاری رہتی ہنسی سے تو ان کے لب کبھی آشنا ہی نہ ہوئے' فرمایا کرتے تھے۔ "مومن کی ہنسی قلب کی غفلت کا نتیجہ ہے' زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے"۔ کلام پاک کی تلاوت کرتے ہوئے فرط تاثر سے زار زار روتے' عبادت کے وقت ان پر عجیب حالت طاری ہوتی' حضرت امام شعبیؒ کو حضرت حسن بصریؒ سے تخلیہ میں ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ آپ ایک وقت میں مکہ معظمہ میں مقیم تھے آپ کے نزدیکیوں میں ایک شخص حمید تھے' حضرت امامؒ نے ان سے اپنا اشتیاق ظاہر کیا' وہ حضرت حسنؒ کی اجازت سے ایک روز حضرت شعبی کو آپ کی خدمت میں لے گئے' دیکھا تو آپ قبلہ رو بیٹھے ہیں اور آپ پر ایک خاص حالت طاری ہے' کہہ رہے ہیں۔ "اے ابن آدم! تو حالت عدم میں تھا' تجھے وجود بخشا گیا' تو نے مانگا تجھے دیا گیا' لیکن جب تیری باری آئی اور تجھ سے مانگا گیا تو تو نے انکار کر دیا' افسوس تو نے کتنا برا کیا۔

حضرت امام شعبیؒ نے جب آپ کا یہ حال دیکھا تو حمید سے کہا' چلو اس وقت امام دوسرے عالم میں ہیں۔

اس قدر علم و فضل اور عبادت و ریاضت کے باوجود نفس کی فریب کاریوں سے ڈرتے رہتے تھے اور دعا کرتے رہتے تھے کہ "خدایا شرک' غرور' نفاق' ریا' شہرت' طلبی اور اپنے دین میں شک و شبہ سے ہمارے قلوب کو بچا' اے مقلب القلوب ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم اور

استوار رکھ"۔

ہم کیا ہیں' ہمارے پاس کیا ہے جو دکھاوے کے لائق ہو اور جس پر ہم کو غرور ہو؟ لیکن ہمارے پاس نفس تو ہے ہی اور ہمارے جیسے لوگوں کا ہمارا بھی تو ایک چھوٹا سا حلقہ ہے ہمیں بھی اپنے نفس سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ وہ ہماری چھوٹی سی نیکی کو بھی برباد کر سکتا ہے' یہ الحاد اور بد دینی کا زمانہ ہے ایمان و اسلام پر اس کی یورشیں ہیں' بڑی ضرورت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے ایمان اور اسلام پر قائم رہنے کی دعا مانگتے ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ کو سب سے زیادہ فکر آخرت کی تھی' وہ اسی کے اندیشے میں گھلتے رہتے تھے' یونس بن عبیدہ کا بیان ہے کہ آپ کہیں سے آتے تو معلوم ہوتا اپنے کسی قریبی عزیز کو دفن کر کے آ رہے ہیں' بیٹھے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ایسے قیدی ہیں جس کی گردن مارے جانے کا حکم ہو چکا ہوا اور جب دوزخ کا ذکر ہوتا تو ایسا معلوم ہوتا دوزخ انہیں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

ایک بار کسی جنازہ میں شریک ہوئے تو تدفین کے بعد اتنا روئے' کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی پھر فرمایا۔ "لوگو! قبر کی تنگ و تاریک کوٹھڑی دنیا کی آخری منزل اور آخرت کا پہلا مرحلہ ہے' اس لیے اس دنیا پر کیا ناز کرتے ہو جس کا یہ انجام ہے اور آخرت کی ہولناکیوں سے کیوں نہیں ڈرتے' جس کی اول منزل یہ ہے؟"

آپ کی مجلس میں بھی آخرت ہی کا ذکر ہوتا' آپ کی مجلس کے ایک شریک اشعث کہتے ہیں کہ ہم حضرت حسنؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ہم سے نہ دنیا کی کوئی خبر پوچھی جاتی اور نہ کوئی خبر دی جاتی صرف آخرت کا ذکر ہوتا۔

یہ ایک بڑا سوال ہے کہ قرآن مجید بھی موجود ہے' حدیثیں بھی موجود ہیں۔ اوامر اور نواہی سے متعلق تمام تعلیمات اور احکام بھی موجود ہیں وہ لکھے اور بیان بھی کیے جاتے ہیں' پڑھے اور سنے بھی جاتے ہیں' لیکن نہ پڑھنے والوں پر ان کا اثر ہوتا ہے اور نہ سننے والوں پر' آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس سوال کا جواب حضرت حسنؒ کی زندگی میں ملتا ہے' ابوبکر بن ہذی کہتے ہیں کہ حسن بصریؒ کوئی عمل جب تک خود نہ کر لیتے اس وقت تک اس کے لیے دوسروں کو ہدایت نہ کرتے تھے اور جب تک کسی کام کو خود چھوڑ نہ دیتے تھے دوسروں کو اس کے چھوڑنے کی تلقین نہ کرتے تھے۔

خاصان خدا کے چند لفظوں میں وہ تاثیر ہوتی تھی کہ وہ سننے والوں کے دلوں میں اتر جاتے تھے اس لیے کہ ان کی زبان ان کے دل کی ترجمانی ہوتی تھی اب دو دو گھنٹے کے وعظ و پند کا بھی کسی پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہی ہے کہ علم تو وہی ہے لیکن عمل وہ نہیں ہے' اور جو بات دل سے نہ نکلے وہ دلوں کو کیسے متاثر کر سکتی ہے؟

؎ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ اسلام کے مجدد اوّل سید الشہدائے کربلا جگر گوشہ رسولؐ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے تھے' آپ کی کنیت ابوالحسن تھی' نام علی اور لقب زین العابدین تھا' کربلا میں لٹے ہوئے آل رسول کے کارواں سالار آپ ہی تھے' حدیث کے بہت بڑے عالم تھے' حضرت امام حسنؓ' حضرت امام حسینؓ ام لمومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ' حضرت ام سلمہؓ' حضرت صفیہؓ' حضرت عبداللہ ابن عباسؓ' حضرت ابوہریرہؓ اور دوسرے بزرگوں سے استفادہ کیا تھا' جن بزرگوں سے آپ نے استفادہ کیا ان میں بھی بڑے بڑے ائمہ حدیث ہیں' فقہ میں بھی درجہ کمال حاصل تھا' سات فقہائے مدینہ کے بعد آپ ہی کا نمبر تھا آپ علم و عمل دونوں کے پیکر تھے' آپ کا طغرائے امتیاز عبادت و ریاضت تھی۔ اسی لیے آپ زین العابدین کے لقب سے یاد کئے جانے لگے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ بڑے مرتبہ کے تابعی تھے' ان کا قول ہے کہ جناب علی بن حسین سے زیادہ صاحب ورع میری نظر سے نہیں گزرا' آپ کی عبادت' عبادت تھی۔ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو خوف و خشیت کی وجہ سے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا' وجہ پوچھی گئی تو فرمایا تم کو کیا معلوم کہ میں کسی کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں اور کس سے سرگوشی کرتا ہوں۔

آپ پر خدا کا خوف ہر وقت طاری رہتا تھا' ایک بار آپ حج کو گئے اور احرام باندھ کر سواری پر بیٹھے تو مارے خوف کے آپ کا رنگ زرد پڑ گیا اور ایسا لرزہ طاری ہوا کہ زبان سے "لبیک" تک نہ نکلا' لوگوں نے کہا "آپ لبیک کیوں نہیں کہتے؟"

فرمایا۔ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ میں لبیک کہوں اور ادھر سے جواب ملے لابیک۔ (تیری حاضری قبول نہیں)

لوگوں نے کہا۔ "مگر لبیک کہنا تو ضروری ہے"۔ لوگوں کے اصرار پر آپ نے کہا مگر جیسے ہی زبان سے لبیک نکلا بے ہوش ہو کر سواری سے گر پڑے اور حج ہونے تک اسی حالت میں رہے۔

ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے' سجدے کی حالت میں پاس ہی میں آگ لگی لوگوں نے پکارنا شروع کیا۔ اے ابن رسول آگ لگی۔ لیکن آپ نے سجدے سے سر نہ اٹھایا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا۔ اے ابن رسول! کس چیز نے آپ کو آگ سے بے خبر کر دیا تھا جواب دیا دوسری آگ نے' یعنی آتش دوزخ نے۔

ایک بار ایک شخص نے آپ کو گالی دی' آپ نے اس سے فرمایا۔ میرے بھائی میرے اور دوزخ کے درمیان ایک گھاٹی ہے۔ یعنی پل صراط۔ اگر میں اس سے گزر گیا تو تیرے برا کہنے کی مجھے کچھ پروا نہیں ہے اور خدانخواستہ اگر میں اس سے نہ گزرا اور دوزخ میں گر گیا تو جس قدر بھی تو

نے مجھے برا کہا ہے اس سے زیادہ برا ہوں۔"

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ

آئمہ اور مجتہدین میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا جو مرتبہ ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے' علم و فضل' طاقت و عبادت' تقویٰ اور پرہیزگاری سب میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے اس کے باوجود آپ پر خوف خدا کا اتنا غلبہ رہتا تھا کہ ایک بار بازار سے گزرتے ہوئے ایک لڑکے کے پاؤں پر آپ کا پاؤں پڑ گیا۔ اس نے چیخ مار کر کہا۔ تو خدا سے نہیں ڈرتا"۔ یہ سن کر امام صاحب بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرت مسعر بن کدامؒ ساتھ تھے' انہوں نے آپ کو سنبھالا اور کہا۔ آپ کا کیا حال ہے' ایک لڑکے کی معمولی سی بات پر اتنا اثر کیوں ہو گیا؟

ذرا سوچئے کہ ہم اور آپ ہوتے تو کیا لڑکے کی بات کا ہم پر بھی یہی اثر ہوتا؟ ہمارے اندر خدا کا خوف تو پیدا نہ ہوتا ہمیں غصہ ضرور آ جاتا اور شاید ہم لڑکے کو مار بیٹھتے۔ حضرت نے فرمایا:۔ "ممکن ہے لڑکے کے منہ سے نکلنے والی بات ایک غیبی صدا ہو اور اس کے ذریعہ میری تنبیہہ مقصود ہو"۔

حضرت امام اعظم کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ ایک دفعہ ملازم نے آپ کے سامنے تھان رکھتے ہوئے کلمہ خیر کے طور پر کہا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو جنت نصیب کرے"۔ یہ سن کر امام صاحب پر رقت طاری ہو گئی' اس قدر روئے کہ جیب و دامن تر ہو گئے' ملازموں کو دکان بند کرنے کا حکم دیا اور چہرے پر

رومال ڈال کر ایک طرف نکل گئے' دوسرے روز دکان پر گئے تو ملازم سے فرمایا۔ "بھائی ہم اس قابل کہاں کہ جنت کی آرزو کریں' یہی غنیمت ہے کہ ہم اللہ کے عذاب سے محفوظ رہیں"۔

ایک روز کوئی شخص آپ سے مسئلہ دریافت کرنے آیا' آپ نے مسئلہ بتا دیا۔ دوسرا شخص آپ کے پاس بیٹھا تھا' اس نے کہا۔

"ابو حنیفہ خدا سے ڈر کر فتویٰ دیا کرو"۔

یہ سن کر امام صاحب پر ایسا خوف خدا طاری ہوا کہ چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ کانپتے ہوئے کہا۔ "بھائی اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ فتویٰ نہ دینے پر خدا مجھ سے مواخذہ کرے گا اور یہ کہے گا کہ تو نے علم حاصل کر کے اسے چھپایا اور لوگوں کو فائدہ نہ پہنچایا تو میں ہرگز فتویٰ نہ دیا کرتا"۔

خوف خدا نے حضرت امام کے دل میں کتنا سوز و گداز پیدا کر دیا تھا۔ کیا ہمارے آج کے مفتیان کرام ایسی بات کو برداشت بھی کر سکتے ہیں؟

زاہدہ بیان کرتے ہیں میں نے ایک دفعہ حضرت امام اعظم کے ساتھ نماز عشاء پڑھی' مجھے آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا تھا' امام صاحب نفل پڑھنے لگے میں ٹھہر گیا کہ آپ فارغ ہو لیں تو مسئلہ پوچھوں جب آپ قرات کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے۔

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ

وَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ الطور جنتی لوگ) آپس میں کہیں گے کہ اس سے پہلے (دنیا میں) ہم اپنے بیوی بچوں کے درمیان (دوزخ) سے ڈرتے رہتے تھے اور اللہ نے ہم پر فضل فرمایا اور ہم کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا۔

اس آیت کو پڑھتے ہوئے آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بار بار اسی کو دہراتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور آپ کی زبان پر یہی آیت جاری تھی۔

ایک مرتبہ نماز ہی میں جب اس آیت پر پہنچے۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ القمر قیامت گنہگاروں کی وعدہ گاہ ہے اور وہ سخت مصیبت انگیز اور ناگوار چیز ہے۔

تو خوف آخرت سے آپ پر گریہ طاری ہوگیا' آپ روتے جاتے اور اسی آیت کو دہراتے جاتے' اسی حالت میں رات گزر گئی۔

یزید بن کمیت کا بیان ہے کہ ایک بار میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک ہوا' آپ نے سورہ زلزال پڑھی جس کے آخر میں ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾ الزلزال جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ بھی قیامت میں اس کی جزا کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ بھی اس کی سزا کو دیکھ لے گا۔

لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے میں ٹھہرا رہا' امام صاحب ٹھنڈی سانسیں بھر رہے تھے' میں آپ کی یہ حالت دیکھ کر وہاں سے اٹھ گیا' جب صبح کی نماز کے لیے مسجد میں گیا تو دیکھا امام صاحب ابھی تک غمزدہ بیٹھے ہیں داڑھی ہاتھ میں ہے بڑی رقت کے ساتھ کہہ رہے ہیں۔ اے وہ ذات جو ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر بدی کا بدلہ دے گی اپنے غلام نعمان کو دوزخ کی آگ سے بچائے رکھیو"۔

ابراہیم بصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام صاحب نماز فجر پڑھ رہے تھے' میں بھی شریک جماعت تھا جب آپ اس آیت پر پہنچے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۲﴾ (ابراہیم) خدا کو ظالموں کے کاموں کی طرف سے غافل نہ سمجھنا۔

تو آپ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ تمام بدن بید لرزاں کی طرح کانپنے لگا۔

اے بھائیو! نماز ہم بھی پڑھتے ہیں' نماز میں قرآن مجید بھی پڑھتے ہیں۔ ہماری قرات کے درمیان بھی یہ آیتیں آتی ہیں لیکن ہمارے اندر ذرا بھی خوف خدا اور خوف آخرت نہیں پیدا ہوتا۔ خاصان خدا تو اپنے کو مامون نہ سمجھتے تھے لیکن ہم اپنے کو مامون سمجھتے ہیں؟ پیشہ ور واعظین شیطان کے ایجنٹ بن کر مسلمانوں کو اطمینان دلا دیتے ہیں' کہ اطاعت رسولؐ کا وعظ کہنے والے بد عقیدہ ہیں' محبت رسول ہی سب کچھ ہے' اور تمہاری نجات کے

لیے کافی ہے اور محبت رسول بھی بالکل سستی تک بندوں کی نعتوں اور فضائل کی من گھڑت قصوں کی مجلسیں اور نعرہ صلوٰۃ۔

حضرت سعید بن جبیرؒ

حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ بڑے مرتبہ کے تابعی تھے' آپ بنی والبہ کے غلام تھے لیکن علم و عمل نے آپ کو اس بلند مقام پر پہنچا دیا کہ آئمہ تابعین کے امام بن گے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت انس بن مالکؓ حضرت ابو سعید خدریؓ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت ابوہریرہؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ وغیرہم سے حدیثوں کا سماع کیا تھا' حضرت ابن عباسؓ سے خاص طور پر استفادہ کیا تھا۔ اس لیے اصحاب ابن عباسؓ میں شمار ہوتے ہیں۔ جلیل القدر آئمہ نے آپ کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے۔ تفسیر' حدیث' فقہ' تمام اسلامی علوم کے جامع تھے۔ حضرت میمون بن مہرانؒ خود بڑے مرتبہ کے تابعی تھے' ان کا قول ہے کہ جس زمانے میں سعید بن جبیرؒ نے شہادت پائی روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔

ایسے جلیل القدر امام کی کسر نفسی اور فروتنی کا حال یہ تھا کہ گنہگاروں کو بھی ان کے گناہوں پر ٹوکتے ہوئے شرماتے تھے' فرماتے تھے۔ میں ایک شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھتا ہوں تو دوسروں کو ٹوکتے ہوئے شرم معلوم ہوتی

ہے"۔

اللہ اکبر! یہ انکسار نفس! اور عمل کے بار میں یہ احساس کمتری اے کاش! ان کی کسر نفسی اور ان کے احساس نفس کا سواں حصہ بھی ہمیں میسر آجاتا۔

حضرت سعید بن جبیرؒ بڑے ذاکر و شاغل بزرگ تھے' قرآن مجید سے خاص شغف تھا' قلب سوزوگداز سے مالا مال تھا' آپ کی رات کی نماز گریہ وزاری کی نماز ہوتی' روتے روتے آنکھوں کی بینائی کم ہوگئی تھی۔ کبھی کبھی ایک رات میں پورا پورا قرآن مجید ختم کر دیتے' اس کے ساتھ خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ خوف وخشیت سے متعلق آیتوں کو فرط تاثر سے بار بار دہراتے۔

سعید بن عبیدہ کا بیان ہے کہ میں نے سعید بن جبیرؒ کی امامت میں نماز پڑھی ہے اور انکو یہ آیت بار بار دہراتے سنا ہے

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ ۙ

(سورۃ مومن ۷۱، ۷۲) جب دوزخیوں کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی اور وہ کھولتا ہوا پانی پینے کے لیے گھسیٹے جاتے ہوں گے۔

اسی طرح کا بیان قسم بن ایوب کا ہے' وہ کہتے ہیں۔ میں نے ان کو آیت "واتقوا یوما ترجعون فیه الی اللّٰه" (بقرہ ۷۵ آیت ۳۸)

اس دن سے ڈرو جس دن خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے' بیس مرتبہ سے زیادہ بار دہراتے سنا ہے۔

معلوم نہیں بنی امیہ کے ظالموں کا کیا حشر ہوگا' انہوں نے کیسے کیسے خاصان خدا اور اکابر امت پر ظلم ڈھائے' کیسے کیسے بزرگوں کو ہولناک اذیتیں دیں اور ان کے خون سے اپنے اعمال نامے سیاہ کیے' حجاج ثقفی اپنی سنگدلی اور شقاوت میں اپنا جواب آپ تھا۔ وہ خلیفہ عبدالملک اموی کے دور حکومت میں مدینہ طیبہ کا گورنر تھا' رحمتہ اللعالمین کے مقدس شہر کا حاکم اور حجاج جیسا ظالم حکمران' کتنی دشمنی تھی خلفائے بنی امیہ کو ہمسائیگان نبوی سے۔

ابن اشعث حجاج کا ایک سپہ سالار تھا حضرت سعید بن جبیرؒ بھی فریضہ جہاد ادا کرنے کے لیے ابن اشعث کی فوج میں شریک ہوگئے تھے۔ ابن اشعث نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے اور خلافت کی بڑی خدمت کی تھی لیکن ایک بات پر حجاج اس سے خفا ہوگیا' وہ بھی حجاج کے مظالم سے تنگ آ چکا تھا اس نے بغاوت کر دی' وہ حق پر تھا اس لیے حضرت سعید بن جبیرؒ نے بھی اس کا ساتھ دیا' پہلے ابن اشعث کو کامیابی ہوئی' لیکن وہ ایک عظیم الشان حکومت کا مقابلہ کب تک کرتا آخر شکست کھا کر بھاگ گیا' حضرت ابن جبیرؒ مکہ آئے' وہاں کے حاکم خالد بن عبداللہ نے آپ کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا' اس نے آپ سے بڑی ہی ناشائستہ اور

گستاخانہ گفتگو کی' حضرت ابن جبیرؒ بھی بڑے نڈر اور حق گو تھے' ہر سوال کا بیباکانہ مگر عالمانہ جواب دیا' حجاج نے سوال کیا۔ علیؓ اور عثمانؓ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے' وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں ہیں؟ ـــــ آپ نے فرمایا ـــــ "اگر میں وہاں گیا ہوتا تو بتاتا"۔

عبدالملک کے بار میں پوچھا۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ "تم ایسے شخص کے بارے میں کیا پوچھتے ہو جس کے گناہوں میں سے ایک تمہارا وجود ہے"۔

خدا نا ترس ظالم نے سوال کیا۔ تم ہنستے کیوں نہیں؟

اس خاصہ خاصان خدا کا جواب سنئے۔ "وہ شخص کس طرح ہنس سکتا ہے۔ جو مٹی سے پیدا کیا گیا اور مٹی کو آگ کھا جاتی ہے"۔ ظالم اب بھی خاموش نہ ہوا' پوچھا۔ تم نے کبھی تفریح کا سامان دیکھا ہے؟" یہ کہہ کر خدام کو عود اور بانسری بجانے کا حکم دیا۔

حضرت ابن جبیرؒ بانسری کا نغمہ سن کر رو پڑے' حجاج نے کہا۔ یہ رونے کا کون سا موقع ہے؟"۔ بانسری کی صدا نے مجھے وہ آنے والا بڑا دن یاد دلا دیا' جس دن صور پھونکا جائے گا۔ عود ایک کاٹے ہوئے درخت کی لکڑی ہے جو ممکن ہے ناحق کاٹی گئی ہو اور اس کے تاران بکریوں کے پٹھوں کے ہیں جو ان کے ساتھ قیامت کے روز اٹھائی جائیں گی"۔

ظالم کو اب بھی عبرت نہ ہوئی آپ کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔

آپ نے آخر میں دو رکعت نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو کہا۔ "مشرق کی طرف رخ کر کے پڑھنا چاہو تو اجازت ہے"۔ آپ نے فرمایا۔ "کچھ حرج نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ

نماز سے فارغ ہوتے ہی حجاج کے حکم سے جلاد نے اس امام عالی مقام کا سر اڑا دیا' حضرت امام نے قتل سے پہلے دعا کی۔ "خدایا میرے قتل کے بعد پھر حجاج کو کسی کے قتل کا موقع نہ دینا"۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کو آپ کی شہادت کی خبر ملی تو فرمایا۔ خدایا! حجاج سے انتقال لے۔ خدا کی قسم اگر ساری روئے زمین کے باشندے بھی ابن جبیرؒ کے قتل میں شریک ہوتے تو خدا ان سب کو منہ کے بل دوزخ میں جھونک دیتا"۔

دونوں خاصان خدا کی دعا قبول ہوئی۔ حجاج پاگل ہو کر مرگیا۔ مرنے کے بعد ایک شخص نے اسے خواب میں دیکھا۔ پوچھا۔ خدا نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا۔ میں نے جتنے لوگوں کو قتل کرایا تھا ان سب کے بدلے مجھے قتل کیا گیا اور ابن جبیرؒ کے بدلے ستر بار قتل کیا گیا۔

حضرت ربیع بن خثیمؒ

ابو یزید حضرت ربیع بن خثیمؒ بڑے عابد و زاہد اور شب بیدار تابعی تھے' وہ عہد رسالت میں موجود تھے۔ مگر بارگاہ رسالت میں حضوری کا موقع

نہ ملا ورنہ صحابہ کرامؓ کے گروہ کے بزرگ ہوتے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے شرف تلمذ حاصل تھا' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے۔ ابویزید! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیکھتے تو تم سے محبت فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ربیع کی تنہائی کی صحبت میں کسی دوسرے کو شرکت کی اجازت نہ ملتی۔

تفسیر و حدیث اور فقہ سب میں مہارت رکھتے تھے۔ وعظ میں ترغیب و ترہیب کی بنیاد قرآن کی موثر آیتیں ہوتیں۔ آپ کے وعظ کا انداز یہ ہوتا۔ اے خدا کے بندے اگر تو نیک کام کرتا ہے تو ایک کے بعد ایک نیک کام کیے جا' کیونکہ عنقریب تجھے وہ دن پیش آنے والا ہے جب تجھ کو یہ حسرت ہوگی کہ کاش اچھے کام زیادہ کیے ہوتے اور اگر تجھ سے کچھ برائیاں سرزد ہوگئی ہوں تو اچھے کام کر کیونکہ خدا فرماتا ہے۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

بھلائیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت قبول کرنیوالوں کے لیے حضرت ربیعؒ محض واعظ نہ تھے' سراپا خوف و خشیت تھے خوف خدا سے اس قدر روتے کہ آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہو جاتی' آگ دیکھ کر آپ کو جہنم کی یاد آ جاتی' ایک مرتبہ لوہار کی بھٹی کی طرف سے گزرے اور اس کی دہکتی ہوئی بھٹی دیکھ کر بے ہوش ہوگئے۔ آپ کے غلام نسرین ذعلوق کا بیان ہے کہ ربیع رات کی تاریکی میں نماز پڑھتے' جب اس آیت پر پہنچتے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ (سورۃ جاثیہ) جو لوگ گناہ کے کام کرتے ہیں کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان سب کی زندگی اور موت برابر ہوگی' یہ برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔

تو اس کی تکرار کرتے ہوئے صبح کر دیتے۔

حضرت امام محمد بن منکدرؒ

حضرت امام محمد بن منکدر رحمتہ اللہ علیہ نسبتاً قریشی تھے' مدینہ منورہ کے صاحب افتاء تابعین میں شمار ہوتے تھے' علم و عمل دونوں میں ممتاز حیثیت رکھتے۔ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ ان کو سید القراء کے لقب سے یاد کرتے تھے' امام ذہبیؒ نے ان کو شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے۔ وہ اس پایہ کے خاصان خدا میں تھے کہ ان کے دیکھنے سے نفس اصلاح پذیر ہو جاتا تھا۔ حضرت امام مالکؒ جیسے جلیل القدر بزرگ فرماتے ہیں کہ میں قلب میں قساوت محسوس کرتا تو جا کر محمد بن منکدرؒ کو دیکھتا' ان کے دیکھنے سے چند روز کے لیے نفس میری نگاہ میں مبغوض ہو جاتا تھا۔

حضرت امام مالکؒ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ صحبت کا انسان پر کیا اثر ہوتا ہے؟ مولانا روم فرماتے ہیں۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت صالح ترا طالح کند!

عطر ساز اور عطر فروش کے پاس بیٹھنے والے کا لباس اور جسم بھی عطر ہو جاتا ہے اور کوئلہ کا کام کرنے والے کے پاس بیٹھنے والے کا جسم اور لباس بھی سیاہی سے محفوظ نہیں رہتا۔ اہل اللہ اور خاصان خدا کے قلب میں ایک نور ہوتا ہے جو انکی آنکھوں سے ان کے چہرے سے' ان کے ہونٹوں سے ان کی گفتگو اور طور طریق سے جھلکتا رہتا ہے' صلحاء کی صحبت میسر نہ ہو تو ان کے حالات کا مطالعہ کیجئے اس کا بھی آپ کو اثر محسوس ہوگا اور تھوڑی دیر کے لیے سہی آپ کے اندر اپنے متعلق ایک سوچ پیدا ہو جائے گی اور آپ کا قلب اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو جائے گا۔

حضرت امام محمد بن منکدرؒ کی ذات میں یہ تاثیراز خود پیدا نہیں ہوگئی تھی۔ انہوں نے چالیس سال تک شدید ترین ریاضت کر کے اپنے نفس کو سنوارا اور نکھارا تھا' حضرت امام مالکؒ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت محمد منکدر عابد اور زاہد ترین لوگوں میں تھے' ان کی اسی عبادت و ریاضت نے بقول ابن عماد حنبلی ان کے گھر کو صلحاء اور عباد کا مادیٰ اور مخزن بنا دیا تھا' خوف خدا نے ان کے دل کو اتنا گداز اور رقیق کر دیا تھا کہ تہجد میں آخرت گریہ وزاری کی نوبت آئی تو صبح ان کے بھائیوں نے رونے کی وجہ دریافت کی' معلوم ہوا کہ قرات کی دوران یہ آیت آگئی تھی۔

وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ۔ قیامت کے روز خدا کی جانب سے لوگوں کے سامنے ایسی چیز ظاہر ہوگی جس کا وہ گمان بھی نہ کرتے تھے۔

خوف خدا نے رقت و گداز قلب کی فطرت بنا دی تھی۔ چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ان سے حدیثیں پوچھی جاتیں تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا۔

حضرت امام ابن منکدرؒ کی پوری زندگی زہد و تقویٰ' عبادت و ریاضت اور خوف و خشیت میں گزری تھی پھر بھی خوف آخرت کا یہ حال تھا کہ وفات کے وقت آپ رو رہے تھے' رونے کا سبب پوچھا گیا تو وہی اوپر کی آیت پڑھی اور فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ مبادا میرے لیے بھی خدا کی جانب سے کوئی ایسی ہی چیز ظاہر ہو جائے جو میرے گمان میں نہ ہو۔

آیئے ہم یہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر سوچیں کہ ہمارا کیا حال ہے؟ آخر ہمارے لیے بھی تو موت ہے' آخرت ہے اور اس روز کی جزا سزا ہے مگر ہم کسی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں' اور ہمیں اپنے لیے کس انجام کی توقع ہے؟

اے اللہ! ہماری غفلت کو دور کر دے اور ہمیں اصلاح حال کی توفیق عطا فرما' ہمارا دل پتھر ہوگیا ہے تو اپنے خوف و خشیت سے ہمارے دل کو نرم اور گداز بنا دے۔

حضرت امام محمد بن سیرینؒ اسلام کی اس اعجاز نمائی پر بار بار حیرت ہوتی ہے کہ وہ کس طرح سنگریزوں کو لعل و گوہر بنا دیتا ہے۔ حضرت محمد بن سیرینؒ کون تھے؟ جو جرایا (عراق) کے ایک ٹھیرے سیرین کے بیٹے تھے پھر یہ بھی دیکھیے کہ خوش قسمتی کس راہ سے آتی ہے سیرین کی عین التمر میں دکان تھی' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مجاہدین نے عین التمر پر حملہ کر دیا' دوسرے اسیروں کے ساتھ سیرین بھی مجاہدین کے ہاتھ لگے قسمت یاور تھی۔ اس نے غلامی کے ذریعہ سیرین کو مشہور خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ تک پہنچا دیا' غالباً آپ ہی کے ذریعہ ان کو ایمان و اسلام کی دولت گراں بہا حاصل ہوئی سیرین بڑے اچھے صناع تھے' اور خوب کماتے تھے' حضرت انسؓ سے چالیس ہزار درہم پر آزادی کا معاملہ طے ہوگیا' یہ رقم ادا کر کے آزاد ہوگئے' خوش نصیبی زینہ بزینہ سیرین کو بلند سے بلند تر کرتی گئی' ان کو بیوی ملیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لونڈی صفیہ' نکاح کے لیے تین امہات المومنین نے ان کو سنوارا اور نکاح میں اٹھارہ بدری صحابہؓ نے شرکت فرمائی یہ مرتبہ بخشا ہے اسلام نے غلاموں اور لونڈیوں کو جن کی غلامی پر ہماری ہزاروں آزادیاں قربان' سیرین کی خوش قسمتی کا آخری درجہ یہ تھا کہ اللہ نے ان کو حضرت محمد رحمتہ اللہ علیہ سا بیٹا عطا فرمایا۔

حضرت محمد بن سیرینؒ حضرت انس بن مالکؓ کے فیضان علم و فضل سے تو بہرہ یاب ہوئے ہی' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی کسب فیض کیا اور آپ کے اصحاب میں شمار ہوئے اور پھر ایک عرصہ تک امام التابعین حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوتے رہے۔

حضرت امام محمد بن سیرینؒ نے حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کے علاوہ اٹھارہ صحابہؓ اور تابعین کے ایک گروہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ تفسیر اور فقہ میں بھی ان کو خاص کمال حاصل تھا جس کا ان کے معاصرین اور بعد کے ائمہ اور اہل علم نے واضح لفظوں میں اعتراف کیا۔

فقہ میں امام ابن سیرین کو جو مہارت حاصل تھی اس کی بنا پر حکومت نے ان کو عہد قضا پر مامور کرنا چاہا لیکن وہ اس کے لیے تیار نہ ہوئے' بھاگ کر شام چلے گئے کہ اس منصب کے لیے مجبور نہ کیے جائیں عرصہ کے بعد مدینہ واپس آئے تقویٰ اور تورع کا یہ حال تھا کہ کسی مسئلے کا جواب دینا ہوتا تو ان پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی۔ وہ اپنے ہم جلیسوں سے ہنستے بولتے ہوتے۔ اسی حالت میں ان سے کوئی دینی مسئلہ پوچھا جاتا تو دفعتاً" ان کی حالت متغیر ہو جاتی کتنا خوف تھا ان کے دل میں خدا کا! حضرت محمد بن سیرین علم کے ساتھ عمل کے بھی پیکر تھے' ان کے اوقات کا زیادہ حصہ ذکر و عبادت میں بسر ہوتا تھا' باایں ہمہ ان کا دل خوف خدا سے لبریز تھا' وہ خوش مزاج اور شگفتہ رو آدمی تھے لیکن ان کی خوش مزاجی اور شگفتہ روئی اپنے ہم

جلیسوں تک محدود تھی۔ چنانچہ ان کے ایک ہم صحبت یونس کا بیان ہے کہ جلوت میں ابن سیرین کے لب ہنستے مگر خلوت میں ان کی آنکھیں اشکبار ہوتیں' ہشام بن حسان کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم ابن سیرین کے ساتھ مقیم تھے' ہم دن میں تو ان کو ہنستے ہوئے دیکھتے اور رات کو ان کی گریہ وزاری کی آواز سنتے' موت کے ذکر سے ان پر موت کی سی حالت طاری ہو جاتی' زہیر الاقطع کا بیان ہے کہ جب ابن سیرین موت کا ذکر کرتے تھے تو ان کے ہر عضو بدن پر موت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ اگر ہم گنہگاروں کو خاصان خدا کے خوف وخشیت کا سوواں حصہ بھی نصیب ہو جاتا تو ہماری زندگیاں سنور جاتیں' وائے ہماری قساوت قلبی پر!

حضرت مسروق بن اجدعؒ

حضرت مسروق بن اجدع رحمتہ اللہ علیہ یمن کے مشہور خاندان ہمدان سے تھے' عرب کے مشہور شہسوار حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کے عزیزوں میں سے تھے' قسمت کی بات ہے عہد رسالت میں موجود تھے' حضرت عمرو بن معدی کربؓ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے لیکن حضرت مسروق کی قسمت میں صحابیت کا شرف نہ تھا' انہوں نے عہد صدیقی میں اسلام قبول کیا عہد فاروقی میں وہ اپنے والد اجدع کے ساتھ مدینہ منورہ بھی آئے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے والد کا نام

سن کر فرمایا۔ اجدع شیطان کا نام ہے۔ تم مسروق بن عبدالرحمٰن ہو۔ اس وقت سے ان کا نام عبدالرحمٰن ہوگیا۔

حضرت مسروقؒ حضرت عمرو بن معدی کربؓ کی طرح بڑے شہسوار اور شجاع تھے۔ جنگ قادسیہ میں جو ایرانیوں سے لڑی گئی تھی اس جوش و بہادری سے لڑے کہ ہاتھ شل ہوگیا۔ لیکن جنگ جمل اور جنگ صفین میں جب صحابہ کرامؓ کی تلواریں آپس ہی میں ایک دوسرے کے خلاف بے نیام ہوگئیں تو آپ نے اپنی تلوار نیام میں رکھ دی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد قسمت نے ایسی یاوری کی کہ ان کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شفقت مادری حاصل ہوگئی۔ وہ ان کو بیٹا کہہ کر پکارا کرتی تھیں' حضرت صدیقہؓ کے بعد انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دامن تعلیم وتربیت میں جگہ پائی۔ ان کے علاوہ بھی صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے فضل و کمال سے خوشہ چینی کر کے علم وفضل سے دامن بھرا اور فقہ میں درجہ اجتہاد کو پہنچ گئے۔

حضرت مسروقؒ خوف خدا کو تمام علم وفضل کا حاصل سمجھتے تھے' فرماتے تھے کہ انسان کے لیے اتنا علم کافی ہے کہ وہ خدا سے ڈرے اور یہ جہل ہے کہ وہ اپنے علم پر غرور کرے۔

کتنا درس آفریں ہے حضرت مسروقؒ کا یہ ارشاد!

حضرت مسروقؒ کی عبادت ریاضت کے درجے پر پہنچ گئی تھی' وہ اس

کثرت سے نمازیں پڑھتے تھے کہ پاؤں ورم کر آتے تھے۔

آخرت پسندی نے حضرت مسروقؒ کو دنیا اور دنیا کی فراغت و خوشحالی کی طرف سے متنفر کر دیا تھا۔ ایک بار اپنے بھتیجے سے فرمایا' چلو تم کو دنیا دکھا دوں اور لے جا کر مزبلے کے پاس کھڑا کر دیا۔ فرمایا۔ دیکھو یہی دنیا ہے اسی کے لیے لوگ خدا کے ٹھہرائے ہوئے حرام کو حلال اور رحم کو قطع کر دیا کرتے ہیں۔

جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت مسروقؒ کے ہم صحبت اور ہم مشرب تھے' وہ فرماتے ہیں کہ مسروقؒ نے ایک بار مجھ سے کہا سعید! اب ایسی کوئی چیز نہیں رہی جس کی طرف میلان خاطر ہو' بجز اس کے کہ اپنے چہروں کو (خدا کے حضور) اس مٹی میں آلودہ کریں۔

یہ حال تھا خاصان خدا کا جن کو دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے دوام کا حقیقی احساس ہو گیا تھا۔

طبقہ تبع تابعین

حضرت امام اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ

آپ ممتاز تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین میں تھے' آپ کا شمار امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ کے زمرے میں ہوتا ہے۔

سیرت و کردار میں صحابہ و تابعین کا نمونہ تھے' زہد و قناعت اور سخاوت

و فیاضی' حق گوئی و بے باکی' خوف خدا اور اندیشہ آخرت' یہ سب ان کے نمایاں اوصاف تھے۔

بچپن سے انہوں نے فقرو فاقہ کی زندگی بسر کی تھی مگر زہدو قناعت کا یہ حال تھا کہ خود کبھی دربار خلافت کا رخ نہیں کیا۔ خلفائے بنوامیہ کے یہاں بھی معززو محترم تھے اور خلفائے عباسیہ میں بھی ان کو وقار و اعزاز حاصل تھا مگر کبھی کسی کی سامنے احتیاج پیش نہ کی ۔ خلفائے بنوامیہ نے ان کو متعدد جاگیریں دی تھیں اور مختلف اوقات میں تقریباً ستر ہزار دینار کے عطیے بھی پیش کئے تھے' مگر انہوں نے نہ تو کبھی ان جاگیروں سے کوئی فائدہ اٹھایا اور نہ نقد رقم کا ایک حبہ اپنی ذات پر خرچ کیا۔ ساری جائداد اور پوری رقم فقراء و مساکین اور جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کر دی اور خود ہمیشہ فقرو فاقہ کی زندگی بسر کی' انتقال کے وقت گھر کا سارا اثاثہ سات دینار سے زیادہ کا نہ تھا۔

عبادت و ریاضت میں بھی وہ ممتاز تھے' نماز نہایت خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے' خصوصیت سے رات کا بیشتر حصہ نوافل میں گزرتا تھا' فرماتے تھے کہ جو لوگ رات کی نمازوں میں جتنا لمبا قیام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اسی نسبت سے ان کے لیے قیامت کے قیام کو ہلکا کر دے گا' اپنے اس قول کے ثبوت میں وہ قرآن کی اس آیت کو پیش کیا کرتے تھے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَ سَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ

يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآئَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ الدھر ۲، رات کے ایک حصے میں خدا کو سجدہ کیا کرو (یعنی نماز پڑھا کرو) اور رات کے بڑے حصے میں اس کی تسبیح کیا کرو۔ یہ (آخرت فراموش) لوگ تو جلد حاصل ہو جانے والی چیز (دنیا) سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے (آنے والے) ایک بھاری دن (یوم آخرت) کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

ایک بار حج کے لیے سفر کیا تو آپ پر حرمین کی زیارت کے ذوق و شوق کا اتنا غلبہ تھا کہ پورے سفر میں ایک روز بھی سوئے نہیں' نیند کا زیادہ زور ہوتا تو کجاوے سے ٹیک لگا لیتے یا لیٹ پوٹ کر لیتے۔

رات کی نماز میں اس قدر روتے کہ آنسوؤں سے مصلے تر ہو جاتا' ایک روز ایک عورت آپ کی اہلیہ سے ملنے آئی' اس نے مصلے کے ایک حصے کو بھیگا ہوا دیکھا تو پوچھا کیا اس پر بچے نے پیشاب کر دیا ہے؟ اہلیہ نے جواب دیا' نہیں۔ شیخ کے آنسوؤں سے تر ہوگیا ہے۔ یہ روزانہ سجدے میں رویا کرتے ہیں۔

ابو مسہر کہتے ہیں کہ اوزاعی گریہ وزاری اور (نماز میں) قرآن پڑھنے میں رات ختم کر دیتے۔

حضرت امامؒ بڑے کم گو اور سنجیدہ بزرگ تھے' نہ ہنسی مذاق کی بات کرتے اور نہ قہقہہ مار کر ہنستے' انتہائی رقیق القلب ہونے کے باوجود عام مجلس میں گریہ کو ضبط کرتے اور تنہائی میں اس طرح روتے کہ سننے والوں کو ان

پر ترس آتا۔

اللہ اللہ! کیسے تھے اللہ سے ڈرنے والے اللہ کے بندگان خاص! بشیر بن منذر کہتے ہیں کہ امام اوزاعی شدت خشوع و خضوع کے اثر سے اندھے معلوم ہوتے تھے۔

حضرت امامؒ کا خشوع و خضوع اور سوز و گداز نتیجہ تھا' آخرت کے استحضار کا' چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ انسان عمر کی جتنی گھڑیاں گزار رہا ہے۔ وہ سب قیامت میں اس کے سامنے ترتیب سے پیش کی جائیں گی۔ اس لیے دنیا میں زندگی کی جو ساعت خدا کی یاد سے غفلت میں گزرے گی اس پر انسان کو سخت حیرت ہوگی۔

چند جملوں میں حضرت امامؒ نے کتنی بڑی بات بیان فرما دی ہے لیکن ہماری سب سے بڑی بدبختی ہماری قساوت قلبی ہے جو بات خاصان خدا کو آٹھ آنسو رلاتی تھی۔ اس بات کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہوتا' خدایا ہمارے دلوں کو نرم کر دے۔

حضرت امام اوزاعیؒ فجر کی نماز کے بعد بات چیت نہ کرتے لیکن اس حال میں کوئی سوال کرتا تو اس کا جواب ضرور دیتے' فرمایا کرتے تھے' سلامتی اور عافیت کے اجزا دس ہیں' ان میں سے نو صرف خاموشی میں ہیں اور دسواں جز مخلق اللہ سے بے نیازی ہے۔

ایک بار ایک شاگرد سے فرمایا۔ "جو شخص موت کو کثرت سے یاد

کرے گا اس کے لیے ہر معاملہ آسان ہو جائے گا اور جو شخص یہ سمجھ لے کہ بات چیت بھی ایک فعل ہے۔ جس کی (قیامت میں) باز پرس ہوگی تو وہ زیادہ بات چیت نہ کرے گا"۔

فرماتے تھے۔ سلف صالحین کا دستور تھا کہ صبح صادق کے وقت یا اس سے پہلے ہی بیدار ہو کر ذکر و عبادت میں مشغول ہو جاتے اور طلوع آفتاب کے بعد جمع ہو کر قیامت کی ہولناکی کا ذکر کرتے' پھر تعلیم دیں کا سلسلہ شروع ہوتا۔

ایمان باللہ اور ایمان بالا آخرت نے رقت قلب کے ساتھ حضرت امام اوزاعیؒ میں حق گوئی کے لیے وہ جرات پیدا کر دی تھی کہ کسی ظالم و جابر کے سامنے کلمہ حق کہنے میں جھجک محسوس نہ کرتے تھے' منصور خلفائے عباسیہ میں ایک نہایت سخت گیر خلیفہ ہوا ہے' اس نے حضرت امام مالکؒ 'حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام سفیان ثوریؒ جیسے بزرگوں پر بڑے بڑے ظلم ڈھائے تھے' ایک بار اس نے حضرت امام اوزاعیؒ کو خط لکھ کر درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ آپ نے جواب میں لکھا۔

امیر المومنین! اپنے اوپر تقویٰ لازم کیجئے اور تواضع اختیار کیجئے اس کے صلے میں خدا آپ کو اس روز بلندی عطا فرمائے گا جس روز خدا ان متکبروں کو ذلیل کر دے گا جو اس کی زمین پر بڑے بنتے ہیں۔ آپ اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت خدا کے حضور آپ

کے حق سے زیادہ نہ دلائے گی"۔

ایک بار خلیفہ منصور نے آپ کو دربار میں بلا بھیجا' راستے کی دوری کی وجہ سے آپ دیر میں پہنچے' خلیفہ نے کہا۔ آپ نے دیر کی' میں کب سے آپ کا منتظر ہوں آپ نے پوچھا۔ کس لیے یاد کیا ہے؟ کہا۔ کچھ نصیحت کی باتیں سننا چاہتا ہوں فرمایا۔ میں تیار ہوں۔ بشرطیکہ جو میں کہوں اسے تم بھول نہ جانا۔ اس نے کہا جب میں نے خود ہی آپ کو اس کے لیے تکلیف دی ہے تو آپ کے ارشادات کو بھول کیسے سکتا ہوں؟ فرمایا۔ آپ اسے سن تو لیں گے مگر اس پر عمل نہ کریں گے۔

منصور کے حاجب ربیع کو آپ کا انداز گفتگو نا زیبا معلوم ہوا اس نے تنبیہہ کرنی چاہی' منصور نے اسے روک دیا۔ کہا۔ یہ درس و موعظت کی مجلس ہے' دربار شاہی نہیں ہے' جب امام اوزاعی کو یہ یقین ہوگیا کہ اس وقت منصور میں جذبہ نصیحت پذیری موجود ہے تو آپ نے عبرت و نصیحت سے معمور ایک طویل تقریر کی جس کا ایک ایک لفظ خوف خدا' اندیشہ آخرت اور تذکیرو ترہیب کے اثر میں ڈوبا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بندے کو خدا کے دین کی کوئی بات معلوم ہوتی ہے اور وہ اس کو قبول کر کے اس کی قدر کرتا ہے تو وہ اس کے لیے خدا کی ایک نعمت ثابت ہوتی ہے اور اگر وہ اسے ٹھکرا کر اس کی ناقدری کرتا ہے تو وہ اس کے اوپر ایک حجت ہو جاتی ہے اور

وہ اس طرح اپنے گناہوں میں اضافہ کر لیتا ہے اور اپنے کو خدا کے غضب کا مزید سزا دار بنا لیتا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جو حاکم رعیت پر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور خود آرام کی نیند سوتا ہے اس پر خدا جنت حرام کر دے گا"۔

"آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ لوگوں پر (خدا اور بندوں کے) حقوق نافذ کریں' ان کے درمیان انصاف کریں۔ ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کریں اور ان کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھیں' ایسا نہ ہو کہ آپ کے دروازے پر پہریدار ہوں اور لوگ آپ تک نہ پہنچ سکیں... آپ کے زیر حکومت عرب و عجم مسلم و کافر سبھی ہیں جن میں سے ہر ایک آپ سے انصاف پانے کا مستحق ہے اور حال یہ ہے کہ یہاں گروہ در گروہ ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں آپ سے کچھ نہ کچھ شکایت ہے اور جن پر آپ کی طرف سے کوئی نہ کوئی ظلم ہوا ہے"۔

"... امیرالمومنین! آپ سوچئے! کہ اس شخص کا خدا کے یہاں کیا حال ہو گا جس نے لوگوں کے چہرے خون آلود کیے' ان کا لہو بہایا' ان کی بستیاں اجاڑیں' ان کو جلا وطن کیا؟--- امیرالمومنین! حضرت عمرؓ میں کتنا احساس ذمہ داری تھا؟ اس بارے میں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا--- اگر ایک بکری کا بچہ میری دیکھ بھال کے بغیر فرات کے کنارے مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی"--- "تو پھر اس

مظلوم کے بارے میں آپ سے کتنی سخت باز پرس ہوگی جو آپ کے سامنے عدل سے محروم رہا۔

"امیرالمومنین! آپ پر ایک ایسی ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ اگر وہ زمین و آسمان اور پہاڑوں پر ڈالی جاتی تو وہ اس کے اٹھانے سے انکار کر دیتے مجھ سے یزید بن یزید فقیہ شام نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرفاروقؓ نے ایک شخص کو زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر کیا' کچھ دنوں کے بعد دیکھا کہ وہ گھر پر موجود ہے آپ نے پوچھا تم وصولی پر کیوں نہیں گئے؟ تم کو نہیں معلوم کہ تمہیں اس کام کا اجر جہاد کے برابر ملے گا؟ اس نے کہا۔ "ایسا نہیں ہے مجھے یہ حدیث نبویؐ پہنچی ہے کہ قیامت کے دن ہروالی اور حاکم کو بلایا جائے گا اور اس کو آگ کے پل پر کھڑا کر دیا جائے گا جس کی وجہ سے اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور اس کے بعد وہ پھر واپس لایا جائے گا اور اس سے حساب کتاب ہوگا۔ اگر اس نے اپنی ذمہ داری بخوبی انجام دی ہے تو بچ جائے گا۔ ورنہ پھر وہ پل اس کو جہنم میں پہنچا دے گا"۔ حضرت عمرؓ نے یہ روایت سن کر ایک سرد آہ کھینچی اور فرمایا۔ افسوس! عمرؓ کو بھی اس سے گزرنا پڑے گا"۔

امام اوزاعیؒ کی اس تقریر کا منصور پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ منہ پر رومال ڈال کر زار زار رونے لگا۔ اس کے گریہ نے امامؒ پر بھی گریہ طاری کر دیا۔ اس کے آنسو کچھ تھمے تو حضرت امامؒ نے اپنی تقریر پوری کی۔ آخر میں

فرمایا۔

"امیرالمومنین! سب سے سخت چیز حق کا قیام ہے' اور خدا کے یہاں سب سے معزز چیز تقویٰ ہے جو شخص خدا کی اطاعت کے ذریعہ عزت چاہتا ہے اللہ اسے سربلند کرتا ہے اور جو شخص خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور عزت کا خواہاں ہوتا ہے خدا اسے پست و ذلیل کر دیتا ہے"۔

حضرت امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ تقریر کے بعد میں اٹھ کھڑا ہوا منصور نے پوچھا کہ یہاں سے کہاں جانے کا قصد ہے؟ فرمایا۔ وطن! اگر آپ اجازت دیں منصور نے اجازت دی اور عرض کیا کہ میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے ایسی قیمتی نصیحتیں کیں' میں ان کو انتہائی خوشی سے قبول کرتا ہوں خدا مجھے ان پر عمل کی توفیق دے اور میری مدد کرے امید ہے کہ آپ آئندہ بھی اسی طرح اپنی زیارت سے مشرف فرماتے رہیں گے۔

منصور نے حکم دیا کہ آپ کی خدمت میں سفر خرچ پیش کیا جائے لیکن خرچ پیش کیا جانے لگا تو حضرت امامؒ نے انکار کر دیا۔ فرمایا۔

ماکنت لابیع نصیحتی بعرض الدنیا ولایہ کلھا

میں اپنی نصیحت کو دنیا کی ایک حقیر متاع بلکہ پوری دنیا کے عوض بھی بیچ نہیں سکتا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ

ہر چراغ روشن ہوتا ہے اور وہ اندھیرے کو اجالے سے بدل دیتا ہے' لیکن کچھ چراغ ایسے بھی ہوتے ہیں جو صدہا چراغوں کو روشن کر دیتے ہیں اور ہر طرف چراغاں ہی چراغاں ہو جاتا ہے۔

سراج الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان رحمتہ اللہ علیہ ایک ایسے ہی روشن ستارے تھے جن کی ذات بابرکات سے ائمہ و مجتہدین کا ایک خاص گروہ پیدا ہو گیا۔

حضرت قاضی ابویوسف یعقوب رحمتہ اللہ علیہ حضرت امام اعظمؒ کے ممتاز ترین شاگرد تھے' آپ کی پیدائش ۱۱۳ھ اور وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی آپ کا سلسلہ نسب انصار سے مل جاتا ہے' غریب باپ کے بیٹے تھے' معاشی حالت ایسی نہ تھی جو اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتے' لیکن قسمت سازگار تھی' حضرت امام اعظمؒ کے حلقہ درس میں حاضر ہونے لگے' ان کے والد کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا۔ ابو حنیفہؒ ایک مالدار آدمی ہیں' تم کو کیا خاطر میں لائیں گے؟ باپ کی شکنی سے متاثر ہو کر بیٹے نے حضرت امام اعظمؒ کے حلقہ درس کی حاضری ترک کر دی لیکن حضرت امامؒ کی فیاضی کا کچھ اور ہی عالم تھا' وہ جس شخص میں استعداد و صلاحیت کا جوہر دیکھتے تھے بڑی فیاضی سے اس کی کفالت فرماتے تھے' جب کئی روز ہو گئے اور آپ نے حضرت ابو یوسف کو نہ دیکھا تو ان کو بلوایا اور غیر حاضری کی وجہ دریافت کی' جب آپ کو ان کی معاشی تنگی کا حال معلوم ہوا تو جاتے وقت ان کو سو درہم کی تھیلی دی اور فرمایا یہ

رقم ختم ہو جائے تو پھر مانگ لینا۔ لیکن مانگنے کی نوبت ہی نہ آتی' سو درہم ختم ہو جانے سے پہلے ہی ان کو مزید درہم مل جاتے' حضرت امام اعظمؒ کی تعلیم و تربیت اور مالی کفالت نے ابو یوسف کا امام ابو یوسفؒ بنا دیا۔

یہ بغداد کے نامور خلیفہ ہارون رشید کا زمانہ تھا' وہ خود بھی صاحب علم وفضل اور اصحاب علم وفضل کا جوہر شناس تھا' اس نے حضرت امام ابویوسفؒ کو مملکت اسلامیہ کے قاضی القضاۃ کے منصب پر مامور کر دیا کہتے ہیں کہ آپ پہلے شخص ہیں جو اس منصب عظمیٰ پر فائز ہوئے' "کتاب الخراج" حضرت امام ابویوسفؒ کی مشہور تصنیف ہے جو خراج' عشر' صدقہ اور جزیہ وغیرہ کے مسائل پر مشتمل ہے اور ان مسائل میں سند مانی جاتی ہے' یہ کتاب حضرت امامؒ نے خلیفہ ہارون رشید ہی کی فرمائش پر لکھی تھی۔

فضل و کمال

حضرت امام ابو یوسفؒ کے فضل و کمال کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور امام الحدیث حضرت یحییٰ بن معین' علیہما الرحمتہ آپ کے شاگردوں میں تھے' آپ کی اطاعت و عبادت کا یہ حال تھا کہ قاضی القضاۃ کے منصب کے فرائض ادا کرتے ہوئے بھی روزانہ دو سو رکعت نوافل پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ کی دینی و علمی خدمات کو بھی درجہ قبول حاصل تھا' حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ نے جو اولیائے کبار میں سے تھے حضرت امامؒ کی وفات کے بعد خواب میں جنت

کا ایک عالی شان محل دیکھا۔ پوچھا۔ یہ کس کا محل ہے؟ جواب ملا۔ قاضی القضاۃ امام ابو یوسف کا۔ پھر پوچھا یہ ان کے کس عمل کا صلہ ہے؟ بتایا گیا۔ علم دین کی تعلیم دینے اور لوگوں کی ایذا دہی پر صبر کا۔

خلیفہ کو تنذیر و تلقین

حق گوئی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں حضرت امام کا مقام کتنا بلند تھا' اس کا اندازہ ان بے باکانہ مواعظ و نصائح سے ہوتا ہے جو آپ نے "کتاب الخراج" کے مقدمے میں خلیفہ ہارون رشید کو مخاطب کر کے فرمائے ہیں۔

امیرالمومنین! میں نے یہ کتاب تیرے حکم سے اپنی استعداد صلاحیت کے مطابق شرح و بسط اور تحقیق کے ساتھ لکھی ہے' اب تو اس کو غور سے پڑھ اور تدبرو تفکر کے ساتھ اس کا مطالعہ کرتا کہ اس کتاب کے مسائل تیرے ذہن نشین ہو جائیں' میں نے اس کتاب کو محض تیری فرمائش کے پیش نظر بوجہ اللہ لکھا ہے اور اس کے لکھنے میں تیری اور رعایا کی خیر خواہی اور نصیحت میں کسی قسم کی کوتاہی اور فروگزاشت نہیں کی ہے' نیز اس کے لکھنے میں میں نے جو محنت و کاوش برداشت کی ہے اس کا صلہ اپنے رب ہی سے چاہتا ہوں اور اس کے مواخذہ سے ڈرتا ہوں۔

امیرالمومنین! اگر تو نے اس کتاب کے مطابق عمل کیا تو مجھے یقین ہے کہ کسی ظلم وتشدد کے بغیر اللہ تعالیٰ تیری آمدنی میں اضافہ کر دے گا اور

تیری رعایا کی حالت بھی درست ہوگی' رعایا کی اصلاح اور اس کی بھلائی اللہ کے حدود قائم رکھنے' ظلم وتشدد سے بچنے' اور اللہ کے احکام کی پابندی کرنے پر منحصر ہے۔

امیرالمومنین! جس ذات نے حکومت کی زمام تیرے سپرد کی ہے اس نے تجھ پر بڑا انعام و احسان فرمایا ہے لیکن خبردار! غفلتوں اور فروگزاشتوں پر اس کی گرفت بھی بہت سخت ہے' اس نے تجھ کو اس امت کا امیر اور حاکم بنا کر امارت و حکومت کو تیرے لیے ایک آزمائش بنا دیا ہے' یاد رکھ وہ عمارت زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رہ سکتی جس کی بنیاد تقویٰ اور خدا ترسی پر نہ ہو' اور ہو سکتا ہے کہ خدائے ذوالجلال ایسی عمارت کو جڑ سے اکھاڑ کر اس کے تعمیر کرنے والے پر گرادے اور بعدازاں اسے دوسروں کے حوالے کر دے اس لیے امت اور رعایا کے معاملات اور اس سے متعلق ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کر کے اسے ضائع نہ کر" عمل کو روح اور قوت اللہ کی توفیق و تائید ہی سے حاصل ہوتی ہے' آج کا کام کل پر نہ چھوڑ۔ اگر تو نے ایسا کیا تو سب کچھ ضائع کر دیا' موت امید سے پہلے آ جایا کرتی ہے' اس لیے موت سے پہلے ہی عمل کا ذخیرہ جمع کرے۔ کیونکہ اس زندگی کی بعد عمل کا موقع نہ ملے گا' رعایا کے نگران و محافظ چوپایوں کی مانند ہیں۔ ہر راعی کو اپنے مالک کے سامنے جواب دینا ہو گا' اس لیے مفوضہ امور میں حق، صداقت کے ساتھ معاملہ کر' ان کی ادائیگی میں بے پروائی اور کوتاہی نہ کر۔

خواہ تجھے وقت اور فرصت کم ہی ہو۔ کیونکہ خدا کی عدالت میں یہ عذر قبول نہ کیا جائے گا' قیامت کے روز خدا کے حضور وہی راعی سرخرو اور سعادت مند ہوگا جس کی رعایا اس کی بدولت نیک بخت ہوگی۔ پس اے امیرالمومنین! تجھے چاہئے کہ راہ حق سے روگرداں نہ ہو ورنہ تیری رعایا بھی گمراہ ہو جائے گی۔

اے امیرالمومنین! نفس کا اتباع نہ کرنا اور غصے سے مغلوب نہ ہو جانا کیونکہ یہ بربادی کا راستہ ہے' اگر دنیا اور آخرت دونوں کے معاملات ایک ساتھ پیش آئیں تو آخرت کو ترجیح دنیا کیونکہ آخرت پائیدار اور باقی ہے اور دنیا ناپائیدار اور فانی' اللہ تعالیٰ کے معاملات میں نزدیک' دور اور یگانے بیگانے میں فرق نہ کرنا اور نہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں لانا۔

امیرالمومنین! اللہ کی خشیت کو قلب میں جگہ دینا' کیونکہ اس کا تعلق قلب سے ہے' نہ کہ زبان سے۔ اس کے لیے تقویٰ اور پرہیزگاری لازم ہے' کیونکہ تقویٰ کے بغیر خشیت الٰہی حاصل نہیں ہوتی۔ اللہ سے وہی ڈرتا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہوتا ہے۔ موت کے لیے تیاری کر کیونکہ زندگی روز بروز کم ہوتی جا رہی' اس سفر کے لیے تیار رہ جس کا راستہ برابر طے ہو رہا ہے اس عمل کا اہتمام کر جو ضائع نہ ہوگا محفوظ رہے گا' تیاری کر اس پل سے گزرنے کی جس سے گزرنا ناگزیر ہے' وہ مقام برحق ہے' وہ ایک امتحان

گاہ ہے جہاں دل ہراساں ہوں گے جہاں کوئے دلیل و بحث کام نہ دے گی جہاں خدائے قہار کی شان کبریائی ظاہر ہوگی۔ تمام مخلوق خدا کے حضور جمع ہوگی اور اس کے فیصلے کا انتظار کرتی ہوگی اور اس کے محاسبہ و عذاب سے خائف و ترساں ہوگی۔ خدا کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ جس میں کسی شک و شبہ اور لیت و لعل کی گنجائش نہ ہوگی۔ جس نے دانستہ عمل نہیں کیا اس کا کیا حال ہوگا؟ اس وقت جب بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا جائیں گے۔ چہروں کا رنگ فق ہو جائے گا' کھڑے کھڑے مدت گزر جائے گی۔ حساب سخت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ الحج بیشک تمہارے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔

دوسرے مقام پر فرمایا ہے:۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ المرسلٰت یہ ہے فیصلے کا دن (جس کے لیے) ہم نے تم کو اور اگلوں کو جمع کیا ہے۔

ہزار افسوس ان فروگزاشتوں پر جو قابل درگزر نہ ہوں گی' اور ہزار افسوس اس وقت کی ندامت پر جب وہ کچھ کام نہ دے گی۔ یہ روز و شب کا اختلاف اور آنا جانا ہر نئی چیز کو پرانا کر رہا ہے' بعید چیز کو قریب لا رہا ہے اور ہر موعودہ چیز کو بلا رہا ہے' اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دے

گا۔ وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ زندگی بہت کم رہ گئی ہے' راہ بڑی ہی پرخطر ہے' دنیا فانی اور ہر شے کو فنا کرنے والی ہے' آخرت دار القرار ہے' لہٰذا تو اپنے مولا سے اس حالت میں ملنے سے بچنے کی کوشش کر جو حد سے تجاوز کرنے والوں کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کے مطابق فیصلہ کرے گا نہ کہ ان کے دنیاوی مناصب و مراتب کے اعتبار سے۔ خدا نے تجھ کو ہر نیک و بد سے آگاہ کر دیا ہے' پس تو ہوشیار رہ! غافل نہ بن' دنیا میں تیرا وجود عبث نہیں ہے اس لئے تو چھوڑ نہ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ یقیناً تیرے اعمال کا بھی حساب لے گا اور تیرے مال کا بھی اور تجھے اس کے سامنے ایک ایک عمل کا اور ایک ایک پیسے کا حساب دینا ہوگا۔ پس تو سوچ کہ خدا کو کیا جواب دے گا اور اس کے لیے تیار رہ! یاد رکھ کہ خدا کے سامنے سے کوئی شخص ایک قدم آگے نہ بڑھ سکے گا جب تک اس سے پرسش نہ کرلی جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لا تزول قدما ابن ادم حتی یسئل عن ثلاث عن عمره فیما افناه وعن ماله من ابن اکتسبه و فیما نفسقه وما عمل فیما علم○ جب تک انسان سے تین باتوں کا حساب نہ ہو جائے گا اس کے قدم آگے نہ بڑھ سکیں گے' عمر کے بارے میں کہ اسے کس کام میں بسر کیا؟ مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جو کچھ جانا اس پر کہاں تک عمل کیا؟

پس اے امیرالومنین! ان سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار رہ' تیرا جیسا عمل ہوگا ویسا ہی بدلہ ملے گا' تیرا اعمال نامہ تجھے پڑھ کر سنا دیا جائے گا' پس تو اپنی رو داد زندگی کو سب کے سامنے پڑھے جانے کو یاد رکھ جو اس وقت صرف تیرے اور تیرے خدا کے درمیان ہے کسی دوسرے کو اس کی خبر نہیں۔

امیرالمومنین! میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ خدا نے تجھے جن باتوں کی یاد دہانی کی ہے ان کو یاد رکھ اور جن چیزوں کی حفاظت کا تجھ کو ذمہ دار بنایا ہے ان کی حفاظت کر' اگر تو نے اس نصیحت کو پیش نظر نہ رکھا اور اس پر عمل نہ کیا تو تیرے لیے رشدو ہدایت کا راستہ دشوار ہو جائے گا اور راہ ہدایت نظروں سے اوجھل ہو جائے گی' اس کے نشانات مٹ جائیں گے اس کی وسعتیں تنگ ہو جائیں گی' تو جن باتوں کو نہیں جانتا' ان کا جاننا تیرے لیے ضروری ہے۔ اپنے نفس کے ساتھ اس طرح معاملہ کر۔ جیسے کوئی کسی کے ساتھ جنگ کرتا ہے اس کے اتباع سے بچ اس کی مخالفت کر' راعی کے ہاتھوں جو نقصان بھی ہو اور جو مال بھی ضائع ہو جائے وہ اس کا ذمہ دار ہے۔ اسے اس کا بدلہ چکانا ہوگا۔ میں نے اس کتاب میں مسائل واحکام سے متعلق حدیثیں بھی لکھ دی ہیں۔ جن میں ترغیب و ترہیب دونوں موجود ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایسے کاموں کی توفیق عطا فرمائے جن سے وہ

راضی ہو اور جو تیرے مناسب حال ہوں۔اللھم وفقنا لماتحب و ترضی"۔

حضرت امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے دنیائے اسلام کے واحد فرمانروا کو جو مواعظ و نصائح فرمائے ہیں وہ اس لائق ہیں کہ ان کو بار بار پڑھا جائے اور ان سے درس و عبرت حاصل کی جائے' یہ مواعظ ونصائح ہارون رشید ہی کے لیے نہیں ہیں' ہمارے آپ اور سب کے لیے ہیں' اپنے اپنے اعمال کے لیے سب خدا کے سامنے جوابدہ ہیں' اور اعمال کے مطابق سب کے لیے جزا وسزا ہے۔

ان مواعظ و نصائح میں قابل غور ان کا مرکزی نقطہ ہے' اور وہ ہے آخرت کی باز پرس اور یہی ہے تمام اسلامی تعلیمات کا حاصل' یہی وہ مرکزی نقطہ ہے۔ جس کے محور پر پوری اسلامی زندگی گردش کرتی ہے اور جتنے بھی خاصان خدا گزرے ہیں ان کی زندگی کا محور یہی نقطہ رہا ہے اور اسی نے ان کی زندگیوں کو بعد والوں کے لیے نمونہ عمل اور دلیل راہ بنا دیا ہے' ان مواعظ ونصائح سے ظاہر ہے کہ حضرت امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے قلب ودماغ کے ایک ایک ریشے میں خوف خدا اور آخرت کی باز پرس کا احساس کس طرح رچ اور بس گیا تھا!

یہ آزادی عوام مساوات اور جمہوریت کا زمانہ ہے' اسلام بھی جمہوریت کا مخالف نہیں بلکہ اس کا بانی اور علمبردار ہے' سب سے پہلے اسلام ہی نے

دنیا کو شورائی اور جمہوری طرز حکومت سے آشنا کیا' خلافت راشدہ جیسی جمہوریت آج تک دنیا میں قائم نہ ہو سکی' انسانی تاریخ کا یہ ایک بڑا جزینہ ہے کہ خلافت راشدہ کے نہج کو خود مسلمانوں نے خاندانی اور شخصی حکومت سے بدل دیا' لیکن اسلامی تعلیم و ہدایت زندہ تھی اور حضرت امام ابویوسفؒ اور ان کے جیسے دوسرے اسلام علمبردار بھی موجود تھے جن کے اثر سے خاندانی اور شخصی حکومتوں میں بھی ایسے خدا ترس اور آخرت پسند عادل اور رعایا پرور حکمراں ہوتے رہے جن کا مقابلہ آج کل کی جمہوریت کے صدر اور وزیراعظم نہیں کر سکتے۔ انہیں میں خلیفہ ہارون رشید بھی تھا۔ اس کی خدا ترسی' انصاف پسندی اور رعایا پروری اسی سے ظاہر ہے کہ اس نے حضرت امام ابویوسفؒ سے اسلامی قوانین کی ایسی کتاب لکھوائی جس کی رو سے وہ حق و انصاف کے ساتھ حکومت کر سکے اس نے کتاب کے ساتھ اس مقدمے کو بھی باقی رہنے دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مواعظ و نصائح اور رشد و ہدایت کا کتنا قدر شناس تھا' آج دنیا کی کون سی جمہوریت ہے جس کے صدر اور وزیراعظم ایسی کتابیں لکھواتے ہیں اور اپنے حق میں ایسے واشگاف مواعظ ونصائح کو برداشت کرتے ہیں اور قدر دانی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

منصب قضا میں خوف آخرت کا احساس

حضرت امام ابویوسفؒ ہادی' مہدی اور ہارون رشید تین عباسی خلفاء

کے دور میں قاضی رہے' عہدہ قضا قبول کرنے کے باوجود انہوں نے کبھی حق و عدل سے چشم پوشی نہیں کی' ہمیشہ بے لاگ فیصلے کیے۔ اگر کبھی نادانستگی میں کوئی بھول چوک ہوگئی تو زندگی بھر اس پر متاسف رہے' متعدد بار آپ نے ایک معمولی شخص کے مقابلے میں خلیفہ وقت کے خلاف فیصلے کیے اور اس کے جاہ جلال کی قطعاً پروانہ کی۔ ایک بار سواد عراق کے ایک بڈھے نصرانی نے ہارون کے خلاف دعویٰ دائر کیا' کہ فلاں باغ میرا ہے جس پر خلیفہ نے غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے' اتفاق سے یہ مقدمہ اس روز پیش ہوا۔ جس روز خود ہارون رشید مقدمات کے فیصلے کر رہا تھا اور امام ابویوسفؒ فریقین کے بیانات اور ان کے دعوے ہارون کے سامنے پیش کر رہے تھے' جب اس مقدمہ کی باری آئی تو انہوں نے خلیفہ کے سامنے اس کو پیش کیا اور کہا' آپ کے اوپر دعویٰ ہے کہ آپ نے مدعی کے باغ پر زبردستی قبضہ کر لیا ہے' مدعی یہاں موجود ہے' حکم ہو تو حاضر کیا جائے۔ بڈھا نصرانی سامنے آیا تو امام صاحب نے پوچھا' تمہارا دعویٰ کیا ہے؟ اس نے کہا میرے باغ پر امیرالمومنین نے قبضہ کر لیا ہے جس کے خلاف داد رسی چاہتا ہوں۔ امام صاحب نے ہارون سے مخاطب ہو کر فرمایا آپ اس دعوے کے جواب میں کچھ کہنا چاہتے ہیں؟ ہارون نے کہا۔ میرے قبضہ میں اس شخص کی کوئی چیز نہیں ہے' نہ خود باگ ہی میں اس کا کوئی حق ہے۔ امام صاحب نے مدعی سے اس کے دعوے کے ثبوت کے لیے دلیل طلب کی۔ اس نے کہا۔

امیرالمومنین سے قسم لے لی جائے۔ ہارون نے قسم کھا کر کہا کہ یہ باغ میرے والد مہدی نے مجھے دیا تھا میں اس کا مالک ہوں' بڈھے نے یہ سنا تو غصے سے بڑ بڑاتا ہوا عدالت سے باہر نکل گیا کہ جس طرح کوئی شخص ستو گھول کر آسانی سے پی جائے اسی طرح اس شخص نے باآسانی قسم کھالی' ایک معمولی آدمی کی زبان سے یہ ہتک آمیز الفاظ سن کر ہارون کا چہرہ غصہ سے تمتمااٹھا۔ لیکن امام ابویوسفؒ کی دینی جلالت کے باعث وہ آپ کے عادلانہ فیصلے کے خلاف چوں بھی نہ کر سکا۔ لیکن حضرت امامؒ اس کے بعد بھی جب اس واقعہ کو یاد کرتے تو آخرت کی باز پرس سے کانپ اٹھتے کہتے۔

"میں اپنے اندر سخت اندوہ وغم اور اذیت محسوس کرتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ میں نے انصاف میں جو کوتاہی کی ہے قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حضور اس کا کیا جواب دوں گا؟ لوگوں نے پوچھا۔ آپ نے انصاف میں کیا کوتاہی کی؟ اور آپ اس سے زیادہ کیا کر سکتے تھے کہ ایک معمولی کسان کے مقابلے میں وقت کے سب سے بڑے بادشاہ کو قسم کھانے پر مجبور کر دیا۔ فرمایا۔ تم لوگوں نے نہیں سمجھا کہ مجھے کس خیال سے تکلیف ہوتی ہے۔ پھر افسوس کے لہجے میں فرمایا مجھے تکلیف اور کوفت اس کی ہے کہ میں نے ہارون سے یہ نہ کہہ دیا کہ آپ کرسی سے اتر جایئے اور جہاں آپ کا فریق کھڑا ہے وہیں ایک فریق کی حیثیت سے آپ بھی کھڑے ہو جایئے یا پھر اجازت دیجئے کہ اس کے لیے بھی کرسی لائی جائے۔ (تبع تابعین جلد اول

۳۷ تا صہ ۳۹)

مرض الموت کے ایام میں حضرت امامؒ پر عجیب رقت طاری رہتی تھی عہدہ قضا کی ذمہ داریوں کو انہوں نے جس دیانتداری سے انجام دیا۔ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے' لیکن وقت آخر کہتے تھے کہ کاش میں فقرو فاقہ کی حالت میں اس دنیا سے چلا جاتا اور عہدہ قضانہ قبول کرتا پھر بھی میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے قصداً نہ کس پر ظلم کیا ہے اور نہ کسی فریق کی پاسداری کی ہے اور نہ میں نے کبھی یہ خواہش کی' کہ فلاں فریق کامیاب ہو اور فلاں ناکامیاب! انتقال کے دن زبان پر یہ کلمات تھے۔

"بارالہا! تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے بندوں کے درمیان کسی معاملہ کا فیصلہ کرنے میں کبھی خود رائی سے کام نہیں لیا اور نہ خلاف واقعہ کوئی فیصلہ کیا۔ میں نے ہمیشہ تیری کتاب اور تیرے رسولؐ کی سنت کے موافق فیصلہ کرنے کی کوشش کی اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں ہمیشہ پاک دامن رہا اور کبھی ایک درہم جان بوجھ کر حرام کا نہیں کھایا۔

تعلیم و تعلم کا سلسلہ آخری سانس تک جاری رہا' ایک شاگرد کو کسی مسئلہ کی تفصیل سمجھا رہے تھے' ابھی خاموش نہیں ہوئے تھے کہ چند منٹ بعد آواز ہمیشہ کے لیے بند ہوگئی۔

عہدہ قضا پر متمکن ہونے سے پہلے سخت فقرو فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں ان کے پاس گیا

تو انہوں نے مجھ سے اپنی معاشی تنگی کا حال بیان کیا' میں نے تسلی دی' جب ان کے پاس سے چلنے لگا تو دیکھا مٹی کا ایک میلا سا برتن ان کے پاس رکھا ہوا ہے' وہ اتفاق سے میرے دامن سے لگ کر ٹوٹ گیا' اس کی وجہ سے ان کے چہرے پر شکن آگئی اور رنگ فق ہوگیا۔ مگر زبان سے کچھ نہیں کہا میں نے کہا۔ کیا بات ہے۔ فرمایا۔ یہی ایک برتن تھا جس سے میں اور میری والدہ وضو کرتے تھے اور اسی سے پانی بھی پیتے تھے' عبداللہ بن مبارکؒ ان کا یہ حال سن کر بہت متاثر ہوئے اور کچھ رقم ان کو دی۔

قاضی القضاۃ ہونے کے بعد جب انہیں دو ہزار روپے ماہانہ تنخواہ اور سال میں لاکھوں روپے کے انعامات ہارون کے دربار سے ملتے تھے ان میں غرور و تمکنت کی بو نہ پیدا ہوئی نہ کبھی دروازے پر دربان بیٹھا یا آخر تک اپنی زندگی طالب علما نہ رکھی' علی بن عینی کہتے ہیں کہ میں ایک بار ایسے وقت میں امام ابویوسفؒ کے پاس آیا کہ مجھے گمان تھا کہ وہ آرام گاہ میں ہوں گے اور ملاقات نہ ہو سکے گی' میں نے اطلاع کرائی تو فوراً اندر بلا لیا' دیکھا کہ ایک علیحدہ کمرہ میں لنگی باندھے ہوئے بیٹھے ہیں اور ان کے گرد کتابوں کا انبار ہے میں نے کہا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔ امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ دیکھو! اس کمرے کے چاروں طرف یہ الماریاں ہیں۔ ان میں کتابیں اور کاغذات کے بہت سے پوٹ رکھے ہوئے ہیں' یہ تمام میرے فیصلوں کی نظیریں ہیں۔ قیامت کے دن جب مجھ سے باز

پرس ہوگی کہ تم نے فیصلے کس طرح کیے تو خدا کے حضور اس کے جواب میں یہی پیش کر دوں گا۔"

(تبع تابعین ص 52)

حضرت امام محمدؒ

امام محمد علیہ الرحمتہ امام ابویوسفؒ کے بعد امام اعظم ابوحنیفہؒ کے دوسرے ممتاز شاگرد اور حدیث وفقہ کے امام گزرے ہیں ہارون رشید کے عہد میں بادل ناخواستہ منصب قضا پر فائز ہوئے' نہایت صالح' عابد اور شب زندہ دار تھے' رات میں ایک ثلث قران تلاوت کر لیتے تھے انہوں نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا تھا ایک حصہ میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ رہتا۔ دوسرے حصہ میں آرام فرماتے اور تیسرے حصہ میں بارگاہ قدس میں سجدہ ریز ہوتے۔ شیخ عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے بارہا کوشش کی کہ جس خضوع وخشوع سے امام محمد معمولا نماز ادا کرتے ہیں میں ایک بار اس طرح نماز پڑھ لوں لیکن میں اس میں عاجز رہا' امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد جیسا زاہد اور پرہیزگار نہیں دیکھا۔

نہایت رقیق القلب اور آخرت کے خوف سے لرزاں رہتے تھے وفات سے کچھ دیر پہلے آپ پر بے حد گریہ طاری ہوا' لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا جس وقت میں بارگاہ اقدس میں کھڑا کیا جاؤں گا اور مجھ سے سوال

ہوگا کہ تمہیں مقام رے تک کون سی چیز لائی؟ رضائے الٰہی کی جستجو یا جہاد فی سبیل اللہ؟ تو میں اس وقت کیا جواب دوں گا؟

حضرت امام محمدؒ کو اپنی علمی اور دینی ذمہ داریوں کا شدید احساس تھا۔ شب میں تعلیم و تدریس اور مطالعہ و تصنیف میں مصروف ہوتے، گرمیوں میں کرتا اتار دیتے سامنے طشت میں پانی رکھ لیتے، نیند کا غلبہ ہونے لگتا تو بدن پر پانی چھڑک لیتے، لوگوں نے اس شب بیداری کا سبب پوچھا تو فرمایا۔ لوگ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں اور میرے پاس اس اعتماد سے اپنے معاملات و مسائل لاتے ہیں کہ میں شریعت کی روشنی میں ان کا فیصلہ کروں گا۔ پس اگر میں سو جاؤں تو تو اس سے دنیا کا نقصان ہوگا۔

حضرت امام زفرؒ

آپ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے تیسرے ممتاز شاگرد اور معروف مجتہد ہیں، آپ اپنے علم و فضل اور ملکہ اجتہاد میں یگانہ عصر تھے، امام ابوحنیفہؒ نے انہیں اپنی زندگی ہی میں درس و تدریس کی اجازت دے دی تھی، جس کی اجازت امام ابویوسف اور امام محمد رحمہا اللہ کو اپنی زندگی میں نہ دی تھی، امام زفرؒ زہد و اتقا اور استغناء و بے نیازی کے اس مقام پر فائز تھے کہ حکومت کے شدید اصرار بلکہ سختی کے باوجود آپ نے عہدہ قضا قبول نہیں کیا، اس جرم میں آپ کا گھر گرا دیا گیا، اس گریز کی وجہ سے آپ کو روپوشی کی مصیبت

بھی اٹھانی پڑی مگر آپ نے اپنے کو اس آزمائش میں ڈالنا پسند نہ فرمایا۔

اپنے اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی اپنے معاصرین میں ممتاز تھے ان کی وفات کے بعد لوگوں میں یہ چرچا عام ہوگیا تھا۔ کہ آخرت کی باز پرس کے خوف سے ان کا انتقال ہوا۔ حالانکہ ان کی زندگی بالکل بے داغ تھی' آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بعد کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس کی باز پرس کا مجھے خوف ہو۔

حضرت داؤدؒ طائی زہدو تقویٰ میں خاص شہرت رکھتے تھے' وہ حضرت امام زفرؒ کے شاگردوں میں تھے' ان دونوں استاد شاگرد میں بھائی چارے کا سا تعلق تھا لیکن حضرت داؤد صرف عبادت میں مشغول ہوگئے مگر امام زفرؒ علم اور زہدو عبادت دونوں کے جامع تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ

تبع تابعین میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ بڑی شان کے بزرگ گزرے ہیں' آپ کا وطن مرو تھا' جہاں آپ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے یہ قدیم اسلامی شہر آج کل کمیونسٹ روس کے قبضے میں ہے' قدرت نے حصول علم کا ذوق آپ کی فطرت میں ودیعت کر دیا تھا' چنانچہ آپ ابتدائے عمر ہی سے علم و فضل کے بلند ترین مقامات پر فائز ہوگئے' خود اپنے بیان کے مطابق آپ نے چار ہزار آئمہ و محدثین اور فقہا و مفسرین سے استفادہ کیا اور

ان میں سے ایک ہزار بزرگوں سے حدیثیں روایت کی۔ آپ کے شیوخ میں حضرت امام مالکؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام سفیان ثوریؒ جیسے اکابر آئمہ دین ہیں۔

علم و فضل میں آپ کا مقام جتنا رفیع الشان تھا عمل میں بھی اتنا ہی بلند تھا زہد و تقویٰ' طاقت و عبادت' خوف خدا اور اندیشہ آخرت' سخاوت و فیاضی جذبہ جہاد غرض سبھی خصوصیات آپ کی ذات میں جمع ہوگئی تھیں' آپ کی زندگی اسلام کا ایک مکمل نمونہ اور جامع مرقع تھی اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے آپ نے دنیائے اسلام کو اپنا عقیدت مند اور گرویدہ بنا لیا تھا' چنانچہ آپ ایک بار شہر رقہ تشریف لے گئے' ان دنوں خلیفہ ہارون رشید بھی وہاں مقیم تھا' آپ کی زیارت کے لیے تمام شہر امنڈ آیا۔ ہارون کی ملکہ اپنے محل سے لوگوں کا ہجوم دیکھ رہی تھی' لونڈیوں سے پوچھا۔ یہ کیسا ہجوم ہے انہوں نے بتایا کہ امام عبداللہ بن مبارک تشریف لائے ہیں' یہ انہیں کے شائقین زیارت ہیں' ملکہ کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ درحقیقت خلیفہ ہارون رشید نہیں عبداللہ بن مبارک ہیں جن کی زیارت کے لیے لوگ ازخود اس طرح ٹوٹ پڑے ہیں' خلیفہ کے گرد جو مجمع دیکھنے میں آتا ہے وہ تو شاہی پولیس اور فوج کے رعب وداب کا نتیجہ ہوتا ہے' اس علم و فضل اور قبولیت عام کے باوجود نہایت منکسر اور متواضع تھے' امتیاز اور تفوق کو پسند نہ فرماتے تھے۔ آبائی وطن مرو میں ان کا وسیع آرام دہ

مکان تھا۔ وہاں ہر وقت عقیدت مندوں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔ یہ صورت آپ کو پسند نہ تھی۔ اس لیے کوفہ چلے گئے اور ایک تنگ و تاریک مکان میں سکونت اختیار کی' لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا۔ تم لوگ جس بات کو پسند کرتے ہو میرے نزدیک وہ ناپسندیدہ ہے اسی لیے تو میں مرو سے یہاں چلا آیا کہ وہاں مجھے عقیدت مندوں کے ہجوم سے وحشت ہوتی تھی' ایک بار کسی سبیل پر پانی پینے گئے' وہاں لوگوں کی بھیڑ تھی۔ اچانک ہجوم کا ریلا آیا اور آپ دھکا کھا کر دور جا پڑے' پانی پینے کے بعد اپنے ایک ساتھی سے فرمایا۔ زندگی گزارنے کا مزا تو اسی میں ہے کہ لوگ نہ ہم کو پہچانیں اور نہ ہماری عزت و توقیر کریں' خاصان خدا نفس کی کمزوریوں پر کتنی گہری نگاہ رکھتے ہیں فرماتے تھے۔ گمنامی کو پسند کرو اور شہرت سے دور ہو۔ مگر یہ ظاہر نہ کرو کہ تم گمنامی کو پسند کرتے ہو اس لیے کہ اس سے بھی نفس میں تمکنت اور غرور پیدا ہو گا۔

اس زمانہ میں رومیوں اور مسلمانوں میں برابر جنگ رہا کرتی تھی' آپ کئی بار جہاد کا ثواب حاصل کرنے کی غرض سے رضا کارانہ جنگوں میں شریک ہوئے ایک بار ایک مجوسی سے نبرد آزما تھے کہ اسی اثنا میں مجوسی کی عبادت کا وقت آگیا۔ اس نے آپ سے مہلت چاہی' جب وہ سورج کے سامنے سر بسجود ہوا تو آپ نے سوچا کہ اس کا کام تمام کر دیں' لیکن معاہدہ حکم خداوندی سامنے آگیا۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾ بنی اسرائیل عہد پورا کیا کرو۔ عہد کے بارے میں پوچھ ہوگی۔

مجوسی کے عبادت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے یہ بات اس سے ذکر کی تو اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہوگیا' کہا "کتنا اچھا ہے وہ خدا جو اپنے دشمنوں کے معاملہ میں اپنے دوستوں سے بازپرس کرتا ہے"۔

خلفاء وامراء سے ملنا جلنا سخت ناپسند تھا' اپنے احباب واقربا کو بھی اس سے منع فرماتے تھے' خلیفہ ہارون رشید نے کئی بار آپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی' لیکن آپ ہمیشہ گریز فرماتے رہے اس زمانے کے مشہور محدث ابن علیہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے مخلص دوستوں اور ہم نشینوں میں تھے' آپ کو معلوم ہوا کہ ابن علیہ نے بعض امراء کی مجالس میں آمدورفت شروع کر دی ہے تو آپ ان سے اتنے آزردہ خاطر ہوئے کہ ایک روز وہ آپ کی مجلس میں آئے تو آپ ان سے مخاطب نہیں ہوئے ابن علیہ سخت پریشان ہوئے' گھر پہنچ کر بڑے اضطراب کی حالت میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو خط لکھا کہ مجھ پر آپ کے بے پایاں احسانات ہیں لیکن نہ جانے اپنی کس غلطی کی بنا پر میں آپ کی ناراضگی اور بے توجہی کا ہدف بن گیا ہوں اس بات نے مجھ کو میرے ہم نشینوں کی نگاہ میں حقیر و ذلیل کر دیا ہے خدارا مجھ کو میری خطا سے آگاہ فرمایئے"۔

اس جواب میں آپ نے چند اشعار لکھ کر ان کے پاس بھیج دیئے جن

مفہوم یہ تھا۔

"اے علم کو ایسا باز بنانے والے' جو غریبوں کا مال سمیٹ کر کھا جاتا ہے تم نے دنیا اور اس کی لذتوں کے لیے ایسی تدبیر کی ہے جو دین کو تباہ کر دے گی' اس چیز کے باعث تم خود مجنون بن گئے جب کہ تم خود مجنونوں کا علاج تھے' تمہاری وہ روایتیں کیا ہوئیں جو ابن عون اور ابن سیرین تم سے بیان کرتے تھے اور جن میں سلاطین سے ربط و ضبط رکھنے کی وعید آئی ہے' اگر تم یہ عذر کرو گے کہ میں اس کے لیے مجبور کیا گیا تو یہ صحیح نہ ہوگا' وہاں "چارپایہ بروکتا بے چند" کی اسی طرح ذلت ہوتی ہے"۔

ابن علیہ کے پاس قاصد یہ اشعار لے کر پہنچا اور انہوں نے پڑھا تو ان پر رقت جاری ہوگئی اور انہوں نے امراء سے ترک تعلق کر لیا۔

آپ کے معاصرین بیان کرتے ہیں کہ عبادت و ریاضت' زہد واتقاء اور اخلاق و کردار میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تصویر تھے' سفیان بن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صحابہؓ کے حالات پر غور کیا تو صحبت نبویؐ کے شرف کے علاوہ ان میں اور ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی جو عبداللہ بن مبارک میں موجود نہ ہو۔ حضرت سفیان ثوریؒ جیسے ممتاز بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے کوشش کی کہ عبداللہ بن مبارک کی طرح محتاط زندگی گزاروں مگر مجھے اس میں ان کی سی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

ذمہ داری کے احساس کا یہ حال تھا کہ ایک بار شام میں کسی شخص سے

قلم مستعار لیا۔ اتفاق سے اسے قلم واپس کرنا بھول گئے' اپنے وطن مرو چلے آئے' یہاں قلم پر نظر پڑی تو مرو سے پھر شام واپس گئے اور قلم کے مالک کو قلم واپس کیا' مرو شام سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر ہے اور یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب آمدورفت کے ذرائع صرف گھوڑے اونٹ اور خچر تھے' ایک حاضر و ناظر خدا کا پختہ اعتقاد اور آخرت کی بازپرس کا احساس انسان کو کس درجہ محتاط اور پرہیزگار بنا دیتا ہے۔

زہد واتقاء آپ کے صحیفہ اخلاق کا ایک نمایاں ترین باب تھا' آپ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی تھی جب اس کو طلبہ کے سامنے پڑھتے تھے تو آپ پر اس قدر رقت طاری ہوتی تھی کہ بول نہیں سکتے تھے۔

قاسم محمد کہتے ہیں کہ میں سفر میں اکثر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے ساتھ رہتا تھا' میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آخر ان کو کس بنا پر اتنا فضل وشرف اور قبول عام حاصل ہے جس طرح وہ نماز پڑھتے ہیں' ہم بھی پڑھتے ہیں' جتنے روزے وہ رکھتے ہیں اتنے ہم بھی رکھتے ہیں۔ وہ حج کرتے ہیں تو ہم بھی کرتے ہیں وہ جہاد کرتے ہیں تو اس شرف میں ہم بھی ان سے پیچھے نہیں' ایک بار ہم لوگ شام جا رہے تھے کہ راستہ میں رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا۔ سب لوگ رات کا کھانا کھا رہے تھے کہ یک بیک چراغ گل ہوگیا۔ ایک آدمی چراغ جلانے کے لیے اٹھا چراغ جلا کر وہ واپس ہوا تو ہم نے دیکھا کہ عبداللہ بن مبارکؒ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہے' میں نے

سوچا کہ اسی خشیت الٰہی کی وجہ سے ان کو یہ فضل و شرف حاصل ہے پھر فرماتے ہیں کہ غالباً" چراغ گل ہونے پر جو اندھیرا ہوگیا اور اس سے ہم لوگوں پر تھوڑی دیر کے لیے جو وحشت اور پریشانی طاری ہوئی اسی چیز نے ان کو قبر کی وحشت و تاریک اور قیامت کی ہولناکی کی یاد دلادی اور ان پر رقت کی یہ کیفیت طاری ہوگئی۔

شام کے علاقہ میں جہاد کے لیے گئے ہوئے تھے دوران سفر میں ہی مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ ستو پینے کی خواہش ظاہر کی' ایک شخص نے ستو پیش کیا۔ لیکن یہ شخص خلیفہ ہارون رشید کا درباری تھا۔ آپ کو اس کا پیش کیا ہوا ستو پینے میں اس بنا پر تامل ہوا کہ خدا جانے یہ جائز اور حلال آمدنی سے خریدا ہوا ہوگا یا نہیں۔ آپ نے ستو قبول نہیں فرمایا۔ وفات سے کچھ دیر پہلے آواز پھنس گئی۔ آپ کو گمان ہوا کہ کہیں وقت آخر کلمہ شہادت کی ادائیگی سے محروم نہ رہ جاؤں اس لیے اپنے ایک شاگرد حسن بن ربیع سے کہا۔ دیکھو جب میری زبان سے کلمہ شہادت نہ نکلے تو تم اتنی آواز سے اسے دہرانا کہ میں سن لوں' جب تم ایسا کرو گے تو یہ کلمہ خود بخود میری زبان پر جاری ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی حالت میں آپ اپنے رفیق اعلیٰ کے حضور جا پہنچے۔

حضرت امام شعبہؒ

حضرت امام شعبہ رحمتہ اللہ علیہ کا وطن کوفہ اور بصرہ کے درمیان کا

ایک مرکزی مقام واسط تھا' سب سے پہلے انہیں شعروشاعری سے شغف پیدا ہوا اور اس عہد کے مشہور شاعر طرماح کی صحبت میں وقت گزارتے تھے' ایک دن کوفہ کے ممتاز محدث حکم بن عتیبہ کی مجلس درس سے گزرے تو دیکھا وہ ارشادات رسولؐ بیان کر رہے ہیں' حدیث نبوی کانوں میں پہنچی تو اس کے الفاظ دل میں اتر گئے' اسی وقت خیال پیدا ہوا کہ شعروشاعری کے مقابلے میں حدیث نبویؐ کی تحقیق و طلب زیادہ بہتر شغل ہے اسی دن سے علم حدیث کے حصول میں منہمک ہو گئے' آپ نے اپنے عہد کے تمام محدثین سے علم حدیث حاصل کیا' حافظ ابن حجر نے ان کے شیوخ کی تعداد تین سو تک گنائی ہے' یہ شیوخ ممالک اسلامیہ کے دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ امام شعبہؒ کے والدان کے بچپن ہی میں انتقال کر چکے تھے۔ حصول علم کی راہ میں آپ کو بے اندازہ مصائب و شدائد برداشت کرنے پڑے' فرماتے تھے کہ میں نے تنگدستی کی وجہ سے سات دینار میں اپنی والدہ کا طشت فروخت کر دیا تھا' آپ کو حافظے کی غیر معمولی قوت عطا ہوئی تھی' احادیث لکھتے بہت کم تھے' لمبی لمبی حدیثیں زبانی یاد رہتی تھیں۔ اس طرح حدیث نبویؐ کا ایک بڑا ذخیرہ ان کے سینے میں محفوظ ہوگیا تھا۔ تحصیل علم کے بعد مرجع خلائق بن گئے' بصرہ میں اپنا حلقہ درس قائم کیا اور تشنگان علم کو سیراب کرنے لگے۔

آپ نے دو اصحاب رسولؐ حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عمرو بن

مسلمہ رضی اللہ عنہما کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا اس لیے تبع تابعین کے بجائے تابعین کے زمرے میں آتے ہیں۔ ان کے شاگردوں کی تعداد حد شمار سے باہر ہے۔ چند ممتاز ہستیاں جنہوں نے آپ کے چشمہ فیض سے استفادہ کیا' یہ ہیں۔

سفیان ثوری' سفیان بن عینیہ' اعمش' محمد بن اسحاق' ابوداؤد' عبداللہ بن مبارک' اسمٰعیل بن علیہ' عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ۔

تمام ہمعصر علماء ومحدثین کو آپ کے علم وفضل کا اعتراف تھا' امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ' سفیان ثوریؒ' محدث حماد بن زیدؒ' ایوب سختیانیؒ امام نوویؒ حاکمؒ' امام ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے ان کی جلالت علمی معرفت حدیث' قوت حافظہ اور احتیاط روایت کی ہے۔

اس علم وفضل کے ساتھ زہدو اتقاء' خوف وخشیت اور اخلاق وکردار میں بھی بے مثل وممتاز تھے۔

نماز پڑھتے تو خشوع وخضوع اور حضور قلب کا یہ عالم ہوتا کہ رکوع و سجدہ میں غیر معمولی تاخیر ہونے کے باعث دیکھنے والے سمجھتے کہ آپ اگلے رکن کو ادا کرنا بھول گئے ہیں' نماز میں اس قدر کیف ولذت محسوس کرتے کہ جب بھی فرصت پاتے نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے' روزہ سے بھی ان کو خاص شغف تھا' سال کے اکثر دنوں میں روزے سے ہوتے تھے' روزوں کی کثرت اور نماز کی مشقت کے باعث نہایت کمزور اور نحیف ہوگئے

تھے۔ چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا' حقوق اللہ کی ادائیگی کے اس اہتمام کے باوجود بندوں کے حقوق سے غافل نہ ہوتے تھے' غربا و مساکین کی خبرگیری رکھتے تھے' مالی حالت کچھ بہتر نہ تھی۔ تاہم جب بھی ہاتھ میں کوئی رقم آتی آپ اسے محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے' کسی خستہ حال مسکین کو دیکھتے تو طبیعت رقیق ہو جاتی جو کچھ پاس ہوتا اسے دے دیتے جب کوئی غریب آدمی ان کے پاس سے گزرتا تو جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوتا' اس کی طرف رحم بھری نظروں سے دیکھتے رہتے' ایک بار خلیفہ مہدی نے ان کے پاس تین ہزار درہم بھجوائے' انہوں نے پوری رقم ضرورت مندوں کو تقسیم کر دی۔

ایک بار کسی پڑوسی نے ان سے کچھ مانگا' فرمایا۔ تم نے ایسے وقت میں مجھ سے سوال کیا۔ جب میرے پاس کچھ موجود نہیں ہے' اچھا یہ سواری کا گدھا لے لو۔ اس نے گدھا لینے سے انکار کیا' آپ کے بہت اصرار کرنے پر لے لیا وہ گدھے کو لے کر تھوڑی ہی دور گیا تھا' امام شعبہ کے بعض دوستوں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو امام کی سواری کا گدھا ہے' وہ لوگ آپ کی طبیعت سے واقف تھے' اس لیے سمجھ گئے کہ آپ نے کسی مجبوری کے باعث گدھا اس کے حوالے کیا ہے انہوں نے سائل سے پانچ درہم میں گدھا خرید لیا' پھر اسے لا کر امام شعبہؒ کو ہدیہ کر دیا۔ قرآن میں ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا گیا ہے۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴿٩﴾ الحشر وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں خود ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

آپ کا لباس عموماً ایک کرتہ' ایک پاجامہ اور چادر ہوتا تھا' یہ چیزیں بھی نہایت سستی اور گھٹیا قسم کی ہوتی تھیں' ان کے ایک شاگرد سلیمان کا بیان ہے کہ ان کا پورا لباس دس درہم (دو روپیہ) سے بھی کم کا ہوتا تھا' لوگوں نے ان کی سواری اور لباس کی قیمت کا اندازہ لگایا تو ۱۸ درہم (تقریباً ۵ روپے) سے زائد کا نہیں تھا' وفات کے بعد جب ان کے گھر کا اثاثہ جمع کیا گیا تو صرف اتنی چیزوں نکلیں ایک گدھا اس کی زین اور لگام' بدن کا کپڑا موزہ اور ایک جوڑا جوتا جس کی مجموعی قیمت ۴ درہم (پونے چار روپے) تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے گھر میں آٹا اور پانی پینے کا برتن موجود رہے تو مجھے اور کسی چیز کے نہ ہونے کا غم نہ ہوگا۔

خود ہی زہد و خاکساری محبوب نہ تھی دوسرں کو بھی اس کے تلقین فرمایا کرتے تھے' ایک بار ایک شخص کو قیمتی کپڑوں میں ملبوس دیکھا۔ پوچھا کتنے میں تیار ہوا ہے اس نے بتایا کہ آٹھ درہم میں' بولے خدا کے بندے! اللہ سے ڈرتے ہیں؟ آٹھ درہم کا صرف کرتہ پہنتے ہو؟ کیا حرج تھا' اگر چار درہم کا کرتہ بنواتے اور چار درہم کسی مستحق کو دے دیتے۔

انسان میں آخرت کا یقین اور اس کی باز پرس کا احساس دنیاوی زندگی

کے ہر شعبے میں اعلیٰ اوصاف و محاسن اور مکارم اخلاق کے جوہر پیدا کر دیتا ہے حضرت امام شعبہؒ کو ہر وقت آخرت کا خوف دامن گیر رہتا تھا' اسی خوف کا نتیجہ تھا کہ روایت حدیث میں غیر معمولی حزم و احتیاط برتتے تھے' کسی صحیح حدیث میں بھی شک واقع ہو جاتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے' فرمایا کرتے تھے' مجھے یہ پسند ہے کہ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں لیکن یہ پسند نہیں ہے کہ میں نے کسی حدیث کو سنا نہ ہو اور میں یہ کہوں کہ "سمعت" یہ بھی فرماتے تھے کہ مجھے دوزخ میں لے جانے والی چیزوں میں سب سے زیادہ خوف حدیث نبویؐ سے رہتا ہے فرماتے تھے کہ کاش میں ایک معمولی فرد ہوتا' اور مجھے حدیث کی معرفت نہ ہوتی' کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ان کے سامنے کوئی حدیث بیان کی جاتی تو چیخ اٹھتے تھے' یہ خوف وخشیت روایت حدیث کی ہزم واحتیاط کی بنا پر بھی تھی اور اس کے معانی و احکام پر عمل کرنے کے اعتبار سے بھی!

امام شعبہؒ نے متعدد اموی اور عباسی خلفاء کا زمانہ پایا لیکن مملکت زہد و قناعت کا یہ تاجدار کبھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ خلیفہ مہدی ان کی بڑی قدر کرتا تھا ایک بار اس نے ان کو کچھ زمین اور تیس ہزار درہم نذر کیے لیکن انہوں نے نہ اس زمین سے فائدہ اٹھایا اور نہ اس رقم کو اپنے مصرف میں لائے سب کی سب رقم محتاجوں کو تقسیم کر دی' ایک بار ان کے بڑے بھائی کو کسی جرم میں خلیفہ مہدی نے سزا دے دی۔ امام شعبہؒ کو معلوم ہوا

تو بہت رنجیدہ ہوئے' یہ پہلا موقع تھا جب کہ وہ اپنے بھائی کی رہائی کے لیے دربار خلافت میں گئے' مہدی کو معلوم ہوا کہ آپ اس غرض سے تشریف لائے ہیں' تو اس نے بلا تامل آپ کے بھائی کو رہا کر دیا۔

حضرت مسعر بن کدامؒ

سر زمین عراق کے ممتاز ترین علمائے حدیث میں تھے' ان کی جلالت علمی اور فضل وکمال کا بڑے بڑے آئمہ و محدثین نے اعتراف کیا ہے۔ ان کی ماں بڑی عابدہ وزاہدہ خاتون تھیں' ان کی تربیت نے بیٹے کے جوہر سیرت کو غیر معمولی جلا بخشی تھی۔ آپ کوفہ کی ایک مسجد درس دیا کرتے تھے' روزانہ کا یہ معمول تھا کہ ماں بیٹے دونوں ایک ساتھ مسجد میں جاتے' مسعر پہنچ کر ماں کے لیے نمدہ بچھا دیتے جس پر کھڑی ہو کر وہ نماز پڑھا کرتی تھیں۔ مسعر مسجد کے گوشے میں نماز میں مشغول ہو جاتے تھے' نماز ختم کر کے ایک مقام پر بیٹھ جاتے' شائقین حدیث وہیں آ کر جمع ہوتے' مسعر انہیں حدیثیں سناتے' اس درمیان میں ان کی ماں عبادت سے فارغ ہو جاتیں' مسعر درس ختم کر کے ماں کا نمدہ اٹھاتے اور ان کے ساتھ گھر واپس آتے' آپ کے صرف دو ہی ٹھکانے تھے' گھر یا مسجد' کثرت عبادت سے پیشانی پر اونٹ کے گھٹے کی طرح نہایت موٹا گھٹا پڑ گیا تھا۔

روزانہ رات میں آدھا قرآن ختم کر لیتے تھے' ان کے صاحبزادے محمد کا

بیان ہے کہ میرے والد نصف قرآن ختم کیے بغیر نہ سوتے تھے۔ اس سے فارغ ہو کر ایک چادر لپیٹ کر سو جاتے تھے' ایک ہلکی سی جھپکی لینے کے بعد پھر اس طرح چونک پڑتے تھے جیسے کسی کی کوئی چیز کھو گئی ہو اور وہ پریشان ہو کر اس کی تلاش کر رہا ہو' اٹھ کر وضو اور مسواک کرتے پھر نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے' یہاں تک کہ نماز فجر کا وقت ہو جاتا تھا مگر اس زہد و عبادت کو انتہائی پوشیدہ رکھتے تھے۔

حضرت معرؒ پر ہر وقت آخرت کا خوف طاری رہتا تھا' ان کے ایک پڑوسی کہتے ہیں کہ ایک دن آپ پر یک بیک گریہ طاری ہوگیا ان کی کیفیت دیکھ کر ان کے والدہ بھی رونے لگیں' معرؒ نے پوچھا۔ اماں جان! آپ کیوں رو رہی ہیں؟ بولیں۔ بیٹا! تم کو روتے دیکھا اس لیے میں بھی رو پڑی۔ وہ بولے اماں! میں تو ان حالات کے تصور سے خوف زدہ ہو کر روتا ہوں۔ جو کل پیش آنے والے ہیں ماں نے پوچھا۔ وہ کون سے حالات؟ اس پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور بولے۔ اماں! قیامت کے ہولناک حالات یہ کہہ کر ماں کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تاکہ اس کیفیت سے ماں کو مزید رنج نہ پہنچے۔

ابن جوزیؒ کا بیان ہے کہ ان پر اٹھتے بیٹھے' چلتے پھرتے اور نماز پڑھتے' غرض ہر وقت ایک رقت طاری رہتی تھی۔ معنؒ کہتے ہیں کہ ہم نے ان کا ہر دن پہلے دن سے افضل پایا وہ عبادت و ریاضت اور فضائل اخلاق کے

اس درجہ پر پہنچ گئے تھے کہ لوگ ان کے جنتی ہونے میں کوئی شک نہ کرتے تھے' حسن بن عمارہ کہا کرتے تھے کہ اگر مسعرؒ جیسے آدمی بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے تو اہل جنت کی تعداد بہت کم ہوگی۔

زہد و قناعت اور دنیاوی سرو سامان سے بے نیازی میں آپ امتیازی حیثیت کے مالک تھے' حکومت کے مناصب آپ کو پیش کیے جاتے تھے' آپ انہیں قبول نہیں فرماتے تھے۔ ابو جعفر عباسی آپ کا رشتہ دار ہوتا تھا۔ ایک بار اس نے آپ کو کسی مقام کا والی بننا چاہا۔ آپ نے فرمایا۔ تعجب ہے کہ تم مجھے ولایت سپرد کرنا چاہتے ہو جب کہ میرے گھر والے مجھے دو درہم کا سودا لانے کے لائق بھی نہیں سمجھتے' خدا تم کو صلاحیت دے' ہماری قرابت داری ہے اس لیے ہمارا حق ہے کہ ہم بھی کچھ کہہ سکیں' ان کے اس عذر پر ابو جعفر نے ان کو اس خدمت سے معاف کر دیا۔

مرض الموت میں حضرت سفیان ثوریؒ ان سے ملنے گئے' دیکھا کہ مسعرؒ پر گھبراہٹ اور رقت طاری ہے' بولے۔ آپ پر موت کی وجہ سے گھبراہٹ طاری ہے' حالانکہ میں تو ہر وقت موت کے لیے تیار رہتا ہوں اور اس وقت بھی تیار ہوں' مسعرؒ نے حاضرین سے کہا۔ ان کو بٹھاؤ' حضرت سفیان بیٹھ گئے اور پھر اپنی بات دہرائی' مسعرؒ بولے کہ آپ کو اپنے اعمال پر اعتماد ہے اس لیے آپ مطمئن ہیں' لیکن اس کے برعکس میری کیفیت یہ ہے کہ میں اپنے کو ایک پہاڑ کی چوٹی پر سمجھتا ہوں اور نہیں جانتا کہ یہاں سے کس

طرح اور کہاں گرایا جاؤں گا یہ دردناک الفاظ سن کر حضرت سفیان کی آنکھیں بھی نمناک ہو گئیں۔ فرمایا۔ آپ مجھ سے بھی زیادہ خدا سے ڈرنے والے ہیں۔

آپ فرمایا کرتے تھے' میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ غمگین اور دردناک آواز سنوں' کیونکہ اس میں موت اور آخرت کا تصور سامنے آتا ہے۔

دنیا سے بے نیازی اور فکر آخرت کی متعلق ان کے چند اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

"زمانہ اس قدر بگڑ گیا ہے کہ اس کی شیرینی بھی تلخ ہو گئی ہے' لوگوں سے کوئی امید نہ رکھو تو زندگی آزادی سے گزرے گی"۔

"وہ لذتیں اور آسائشیں جو حرام ذرائع سے حاصل ہوں اور جن کے پیچھے گناہ اور لذت بھی ہو ان کے نتائج بالاخر برے ہی نکلتے ہیں"۔

"اس لذت و آسائش میں کوئی خوبی اور بھلائی نہیں جس کا انجام دوزخ کی آگ ہو"۔

حضرت عبداللہ بن وہبؒ

حضرت امام مالکؒ کے ارشد تلامذہ اور ان کے علم و فضل کے وارثوں میں نہایت ممتاز تھے' موطا امام مالکؒ کی تدوین کی سعادت انہیں کو حاصل

ہوئی ہے' ۱۲۵ھ میں مصر میں پیدا ہوئے' ان کے والدین قریش کے ایک خاندان بنوفہر کے غلام تھے' ۱۷ سال کی عمر میں حصول علم کی طرف طبیعت کا میلان ہوا۔ مصر کے آئمہ وفقہا سے تشنگی علم بجھانے کے بعد مدینہ بغداد وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے علماء و محدثین سے استفادہ کیا۔ تقریباً" ۲۰ سال تک امام دارالہجرۃ مالک رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے' ان کی غیر معمولی ذہنی و علمی صلاحیتوں کی بنا پر حضرت امام مالکؒ ان پر خاص طور توجہ رکھتے اور بڑی قدر کرتے تھے' امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ان کو ایک لاکھ روایتیں ازبر تھیں' وہ حافظ حدیث ہی نہیں تھے۔ اجتہاد و استنباط کی مہارت بھی رکھتے تھے۔

اس فضل وکمال کے باوجود ہمہ وقت اندیشہ آخرت سے لرزاں و ترساں رہتے تھے' ان کے سامنے کوئی قیامت کی ہولناکی کا ذکر چھیڑ دیتا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے' بسا اوقات بے ہوش ہو جاتے تھے' ایک بار کسی نے ان کے سامنے یہ آیت تلاوت کی۔

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ یاد کرو جب دوزخی (اہل کفر) ایک دوسرے سے حجت کریں گے' کمزوروں کا گروہ بڑے لوگوں کے گروہ سے کہے گا کہ ہم نے تمہاری بات مانی تھی کیا تم ہم سے کچھ

عذاب ہلکا کر سکتے ہو۔ بڑے لوگ کہیں گے آج ہم سب اس مصیبت میں مبتلا ہیں۔

آپ نے سنا تو بے ہوس ہوگئے۔ بہت دیر تک یہ حالت رہی۔

آخرت کی بازپرس کا یہی احساس تھا کہ جس کی بنا پر آپ نے کبھی امراء کی قربت گوارا نہیں کی اور جبروا کراہ کے باوجود ہمیشہ اس سے کنارہ کش رہے حالانکہ بڑے فقروفاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے' امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ عباد بن محمد والی مصر نے آپ کو بلایا اور آپ کے سامنے عہدہ قضا پیش کیا' آپ نے کسی بہانے ان کو ٹال دیا اور چھپ گئے عباد کو ان کے غائب ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے غصے میں ان کا گھر گرا دیا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس عہدے کو قبول نہیں کیا' اسی مفہوم کی ایک دوسری روایت یونس بن عبدالاعلیٰ نے بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خود خلیفہ وقت نے ان کو لکھا کہ آپ مصر میں عہدہ قضا قبول کر لیں لیکن آپ نے اسے قبول نہیں کیا اور روپوش ہو کر گھر میں بیٹھ رہے۔ ایک دن گھر کے اندر وضو کر رہے تھے کہ اسد بن سعد آ گئے' انہوں نے کہا کیا یہ بات بہتر نہیں تھی کہ آپ گھر سے باہر نکل کر کتاب وسنت کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرتے؟ اس میں عہدہ قضا کے قبول کرنے کی طرف اشارہ تھا' یہ سن کر ابن وہب نے سر اٹھایا اور بولے کیا تمہاری عقل اسی قدر ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ علماء کا حشر انبیاء کے ساتھ ہوگا اور قضاۃ کا سلاطین کے ساتھ

تقویٰ و تورع کے اس بلند مرتبے پر فائز تھے کہ چھوٹی چھوٹی برائیوں کو بھی بڑے گناہ محسوس کرتے تھے ان کا دستور تھا کہ جب وہ کسی کی غیبت کرتے تو اس کے کفارے کے لیے ایک روزہ رکھتے تھے' ایک دن لوگوں سے کہا کہ مجھے روزہ رکھتے رکھتے ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ اب نفس کے اوپر روزہ رکھنا شاق نہیں گزرتا' اس لیے میں نے یہ طے کیا ہے کہ اگر اب کسی کی غیبت کروں گا تو ایک درہم خیرات کروں گا۔ چنانچہ ایک درہم کا صدقہ کرنا مجھ پر اتنا شاق گزرا کہ غیبت کی عادت ہی چھوٹ گئی۔

طبیعت پر خوف خدا اور فکر آخرت کا جو غلبہ رہتا تھا وہی ایک دن آپ کی وفات کا سبب بن گیا' آپ نے اہوال قیامت (قیامت کی ہولناکیاں) کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی' ایک دن کوئی شخص وہ کتاب آپ کے سامنے پڑھنے لگا خود اپنی ہی لکھی ہوئی کتاب کا آپ پر یہ غیر معمولی اثر ہوا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے اٹھا کہ گھر لائے گئے اور طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

حضرت یحییٰ بن سعید القطانؒ

حضرت یحییٰ بن سعید القطان رحمتہ اللہ علیہ تبع تابعین کے ممتاز ترین بزرگوں میں تھے' بصرہ آبائی وطن تھا وہیں ۱۲۰ھ میں ایک غلام خاندان میں پیدا ہوئے اپنی غیر معمولی ذہانت اور قوت حافظہ میں اوائل عمری ہی سے

ممتاز تھے۔ امام شعبہؒ اور سفیان ثوریؒ ان کی ذہانت اور قوت حافظہ پر حیرت کرتے تھے' ان سے استفادہ کرنے والے آئمہ و محدثین میں امام احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ، اسحاق بن راہویہؒ سفیان بن عنیب' ابوبکر بن شیبہؒ جیسے آئمہ حدیث داخل ہیں۔

آپ اخلاق و کردار' زہدو تقویٰ' خوف وخشیت اور اندیشہ آخرت کے لحاظ سے اسلام وایمان کا زندہ پیکر تھے آپ کے شاگرد بندار جو بیس سال تک مسلسل ان کی خدمت میں رہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے بیس سال تک ان کی خدمت میں آمدورفت رکھی میرا گمان ہے کہ اس مدت میں انہوں نے کبھی خدا کی نافرمانی کا کوئی کام نہیں کیا۔

حضرت ابن معین کہتے ہیں کہ میں نے ان کی نماز جماعت قضا ہوتے ہوئے نہیں دیکھی۔ فرائض کے اہتمام کے ساتھ نوافل کے سخت پابند تھے' جو نفل نماز شروع کرتے اسے ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ کلام اللہ کی تلاوت کا خاص ذوق تھا' عموماً دن رات میں قرآن مجید کا ایک دور پورا کر لیا کرتے تھے۔

خوف آخرت ان کے رگ و ریشے میں خون کی طرح گردش کرتا تھا' علی بن المدینیؒ کا بیان ہے کہ ایک بار ہم لوگ ان کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ آپ نے حاضرین میں سے کسی سے قرآن پاک سنانے کی فرمائش کی اس نے سورہ دخان کی تلاوت شروع کی جیسے جیسے وہ پڑھتا جاتا تھا۔ حضرت یحییٰ

بن سعید پر رقت طاری ہوتی جا رہی تھی جب وہ آیت:۔
اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُھُمْ اَجْمَعِیْنَ ۔ (دخان) فیصلہ کے دن سب لوگ حاضر ہوں گے۔

پر پہنچا تو ان پر لرزہ طاری ہوگیا اور وہ بے ہوش ہوگئے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر سارا خاندان گھبرا گیا بچے عورتیں رونے لگیں۔ کچھ دیر بعد کچھ افاقہ ہوا' جب بھی ان کی زبان پر یہی آیت تھی۔

اللہ کی مرضی پر صابروشاکر رہنا ان کی فطرت تھی۔ مرض الموت میں کسی نے کہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا بخشے۔ بڑے پرسکون انداز میں فرمایا۔ "میں اپنے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اللہ عزوجل میرے لیے پسند کرتا ہے"۔

صبروضبط اور متانت و سنجیدگی کے خوگر تھے' ایک بار کسی پڑوسی سے کچھ نزاع ہوگئی پڑوسی نے ان کے ساتھ بدکلامی شروع کر دی۔ آپ اس کا جواب بدکلامی سے نہیں دے سکتے تھے اس لیے رونے لگے اور فرمایا اس نے سچ کہا کہ میں کون ہوں اور کہاں ہوں' غالباً اس نے آپ کے غلام خاندان کا فرد ہونے پر طعن کیا ہوگا۔

اپنے غیر معمولی فضل وکمال کے باوجود سادگی کا دامن ہاتھ سے کبھی نہیں چھوٹا' ان کے پوتے کا بیان ہے کہ میرے دادا نہ کبھی ہنسی مذاق کرتے تھے اور نہ قہقہہ لگا کر ہنستے تھے' وہ کبھی غسل کے لیے حمام میں نہیں گئے

اور نہ زینت و آرائش کے لیے تیل اور سرمہ لگانے کے عادی تھے' نہایت سادہ وضع میں رہتے تھے اسی وجہ سے عام لوگ ان کے فضل و کمال کا اندازہ نہیں کر پاتے تھے۔

حضرت امام سفیان ثوریؒ

حضرت امام سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ تبع تابعین میں بڑے مرتبہ کے صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ تفسیر حدیث اور فقہ سب میں درجہ کمال پر فائز تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت احمد بن حنبلؒ جیسے آئمہ کو آپ کے فضل و کمال کا اعتراف تھا کوفہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے زمانے میں کوفہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے بعد دینی علوم کا سب سے بڑا مرکز تھا' خود آپ کا خاندان بھی کوفہ کے علمی خاندانوں میں شمار ہوتا تھا ۹۶ یا ۹۷ ہجری میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے اجداد میں ایک شخص ثور بن منا تھا اسی نسبت سے آپ ثوری مشہور ہوئے۔

حضرت امام سفیان ثوریؒ کے والد کا نام سعید بن مسروق ہے وہ بھی کوفہ کے محدثین میں شمار ہوتے تھے' آپ کی والدہ ماجدہ جس درجہ کی عارفہ تھیں اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار حضرت سفیان نے تاروں بھری رات میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو ان کو محسوس ہوا ان کے سینے میں دل نہیں ہے آپ نے اپنی اس کیفیت کا ذکر اپنی والدہ

ماجدہ سے کیا' انہوں نے فرمایا معلوم ہوتا ہے تم نے عبرت پذیری کی نگاہ سے آسمان کی طرف نہیں دیکھا' تمہارا مقصد صرف تفریح طبع تھا۔

اب کہاں ایسے بیٹے پیدا ہوتے ہیں جو اپنے دل کی کیفیات پر اسی طرح نگار رکھیں اور کہاں ہوتی ہیں نکتہ رس مائیں۔

حضرت امام کی والدہ ماجدہ کی بصیرت مندی کا ایک اور سبق آموز نمونہ دیکھیے۔ ماں نے بیٹے کو نصیحت کی۔

"بیٹے! اگر تم دس حرف لکھ چکو تو دیکھو تمہارے طور طریق اور علم و وقار میں کچھ اضافہ ہوا یا نہیں' اگر اضافہ نہ ہوا تو سمجھ لو کہ علم سے تم کو کوئی نفع نہ ہوا"۔

معاشی حالت اچھی نہ تھی مگر دینی علوم کی قدر شناس ماں نے یہ کہہ کر تحصیل علم کے لیے فارغ کر دیا کہ تم علم کے حصول میں مصروف رہو۔ میں سوت کات کر تمہاری کفالت کروں گی"۔

دین پسند ماں کی حوصلہ مندی نے ہی بیٹے کو وقت کا جلیل القدر امام بنا دیا آپ کے زمانے تک حدیثوں کی کتابیں مدون نہ ہوئی تھیں۔ دوسرے محدثین کو دس ہزار سے زیادہ حدیثیں یاد نہ ہوتی تھیں۔ اور آپ تیس ہزار حدیثوں کے حافظ تھے۔ امام نے اپنے سینے کو احادیث نبوی کا سدا بہار خیاباں بنانے کے لیے کن کن گلزاروں سے گل چینی کی ہوگی۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امامؒ نے اپنی پوری زندگی ماں کی نصیحت میں

ڈھال دی تھی' ان کی زندگی علم و عمل دونوں کا نمونہ تھی۔ انہوں نے ازراہ زہد و تقویٰ اپنے اوپر تین باتیں لازم کر لی تھیں' پہلی بات یہ کہ وہ کسی سے خدمت نہ لیں گے' دوسری یہ کہ وہ اپنے کپڑے کسی دوسرے کو درست نہ کرنے دیں گے' تیسری یہ کہ وہ مکان بنوانے کی غرض سے کبھی اینٹ پر اینٹ نہ رکھیں گے چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے مکان پر ایک درہم بھی کبھی خرچ نہ کیا۔

حضرت امامؒ نے منصور عباسی اور مہدی کا زمانہ پایا' یہ دونوں خلفاء آپ کے بڑے قدرداں تھے مگر آپ ان سے ہمیشہ متنفر اور گریزاں رہے' کسی دینی ضرورت یا ان کی طلب پر ان کے پاس تشریف بھی لے جاتے تو انتہائی سختی سے ان کو نصیحت فرماتے' خلیفہ منصور آپ کی اس روش کی وجہ سے آپ کا دشمن ہوگیا۔

آپ مکے میں تھے منصور حج کو روانہ ہوا تو حکم صادر کر دیا کہ اس کے مکہ پہنچنے سے پہلے آپ کو پھانسی دے دی جائے۔ حضرت امامؒ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے کعبہ کا پردہ پکڑ کر خدا سے دعا کی کہ وہ مکے میں داخل نہ ہونے پائے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی' موت نے بیرمیموں ہی پر منصور کا کام تمام کر دیا۔

منصور کے بعد مہدی مسند نشین خلافت ہوا اس کے ساتھ بھی آپ کا معاملہ گریز اور زجرو توبیخ ہی کا رہا اس لیے اس نے بھی آپ کے قتل کا حکم

صادر کر دیا۔ اسی وقت سے آپ نے روپوشی اختیار کر لی تھی' زندگی کے آخری ایام میں بصرہ کے مشہور محدث عبدالرحمٰن بن مہدی کے مکان پر فروکش تھے وہیں بحالت غربت ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔

؎ کیسی کیسی صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

اس علم و فضل' زہد و تقویٰ اور اس درجہ کی حق گوئی اور امراء و خلفاء سے بے نیازی کے باوجود دل ہر وقت رقت و گداز سے معمور اور اندیشہ آخرت سے لرزاں و ترساں رہتا تھا۔ رات کو سوتے ہوئے کانوں میں اچانک کوئی آواز پڑ جاتی تو چونک اٹھتے کہ کہیں عذاب نہ آگیا ہو۔ اللہ اللہ کتنا بیدار دل تھا حضرت امام کا!

ایک بار زوال سے قبل نفل پڑھ رہے تھے' اثنائے قرآۃ میں یہ آیت آگئی۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۹ جس دن نرسنگھے میں پھونک ماری جائے گی یہ دن (کافروں کے لیے) سخت ہوگا۔

اگرچہ یہ تبذیر و تخویف کفار کے بارے میں ہے پھر بھی آپ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ چیختے ہوئے سخت دھوپ میں نکل پڑے' آپ کو اپنا ہوش نہ تھا' دوسرے لوگوں نے آپ کو سائے میں پہنچایا۔

ایک بار آپ نے اپنے شاگرد یوسف سے طہارت کا برتن مانگا اور ہاتھ میں برتن لیے پوری رات گزار دی' صبح کو شاگرد نے آپ کو گم گشتگی کے

عالم میں دیکھا تو خبردار کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے جب سے برتن دیا اسی وقت سے آخرت کے انجام پر غور کر رہا ہوں' حضرت امام کے دل میں خوف آخرت کی اتنی تپش تھی کہ اس کی سوچ کے نتیجے میں آپ کو خون کا پیشاب ہونے لگا ایک بار آپ بیمار پڑے آپ کے شاگرد اسامہ آپ کا قارورہ طبیب کے پاس لیے گئے' طبیب نے قارورہ دیکھ کر بتایا' یہ ایسے شخص کا پیشاب معلوم ہوتا ہے جس کے کلیجے کو غم نے شق کر دیا ہو۔ اس مریض کا کوئی علاج نہیں۔

بصرہ کے محدث عبدالرحمٰن مہدی جن کے مکان پر حضرت امامؒ نے وفات پائی۔ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کئی رات متواتر دیکھا کہ امامؒ رات کے پچھلے حصے میں سو جاتے پھر اچانک گھبرا کر "دوزخ دوزخ کہتے ہوئے اٹھ بیٹھتے پھر وضو کر کے دعا مانگتے کہ اے اللہ! تو بغیر بتائے میری حاجت سے واقف ہے میں عذاب دوزخ سے نجات کے سوا تجھ سے کچھ نہیں مانگتا۔

اے پروردگار' آخرت کی فکر نے میرے دل کو رقیق کر دیا ہے اور یہ مجھ پر تیرا بڑا فضل ہے' اے اللہ! اگر گوشہ گیری کے لیے میرے پاس کوئی عذر ہوتا تو میں ایک لمحہ بھی لوگوں کے درمیان نہ رہتا۔

اس دعا کے بعد نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے' نماز میں ایسا گریہ طاری ہو جاتا کہ قرات نہ کر سکتے تھے شرم اور ان کی ہیبت کی وجہ سے ان کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا اور ان کی قرات سننے کی کوشش کرتا تو سن نہ سکتا

تھا۔

انسان کے دل میں آخرت کا خوف پیدا کرنے والی چیز موت کی یاد ہے اور حضرت امام رحمتہ اللہ علیہ موت کو اس کثرت سے یاد کیا کرتے تھے کہ آپ کے ہم نشینوں کے دلوں میں موت کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

ہم اکثر سوچا کرتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں تو دنیا اور آخرت دونوں کی جامع تھیں، تابعین اور تبع تابعین کی زندگیاں یکسر بدل کیوں گئیں اور ان کو ہم دنیا سے متنفر وبیزار اور کنارہ کش کیوں پاتے ہیں اس کی وجہ حضرت امام سفیان ثوری کے ایک خط سے معلوم ہوئی جو انہوں نے اپنے ایک شاگرد کو لکھا تھا۔ جس کا اصل متن یہ ہے۔

تم جس زمانے میں ہو اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ پناہ مانگا کرتے تھے کہ وہ اس زمانہ کو نہ پائیں اور یہ ظاہر ہے کہ آنحضورؐ کی صحبت کی وجہ سے انہیں جو کچھ حاصل تھا ہمیں میسر نہیں ہے پھر امور خیر میں علم کی قلت اور رفاقت کی قلت کے باوجود ہم نے فساد انگیزی اور دنیا کی نجاست وگندگی کے جس زمانے کو پایا ہے اس سے کیونکر بچ سکتے ہیں؟ اس لیے تم پر لازم ہے کہ گمنامی کی زندگی بسر کرو کہ یہ زمانہ گمنامی ہی کے لیے موزوں ہے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرو اور لوگوں سے ملنا جلنا کم رکھو پہلے زمانے میں لوگ ملتے تھے تو ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے تھے لیکن اب یہ بات نہیں رہی اس لیے نجات کا

راستہ یہی ہے کہ ترک تعلق کے اصول پر عمل کیا جائے' ہاں خبردار امراء کا قرب اختیار نہ کرنا' خبردار' مبتلائے فریب نہ ہونا۔ تم سے کہا جائے گا کہ فلاں شخص کی سفارش کرو۔ مظلوم کی دستگیری کرو' ظلم کے مٹانے کی کوشش کرو' یاد رکھو یہ سب باتیں شیطانی فریب ہیں' وقت کے تاجروں نے ان باتوں کو اپنی سرفرازی کا زینہ بنا رکھا ہے' خبردار حکومت اور ریاست کی محبت سے بچنا کیوں کہ اقتدار کو لوگ سونے چاندی سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں"۔

حضرت ابوسفیانؓ کے اس مکتوب میں کتنی موعظتیں اور بصیرتیں ہیں حضرت امیر معاویہؓ نے خلافت راشدہ کو ختم کر کے جس موروثی خلافت وامارت کا سلسلہ شروع کیا وہ روز بروز سے بدتر ہی ہوتی چلی گئی' اور اقتدار جسے خیروصلاح کا گہوارہ ہونا چاہیے تھا وہ فتنہ وفساد کا مرکز بن گیا اور خلافت وامارات اور معاشرہ کی حالت اتنی بگڑ گئی کہ خاصان خدا کا اس کے درمیان رہنا فتنہ وفساد کا باعث بن گیا۔ ہمارے لیے یہ بڑی سوچ کی بات ہے کہ یہ زمانہ کیسا ہے جو ہمیں ملا ہے' اس زمانے کی حکومتوں کا کیا حال ہے اور مسلم معاشرے کی حالت کیسی ہے؟

حضرت سفیان نے کتنے پتے کی بات فرمائی ہے کہ اقتدار زر و سیم سے بھی زیادہ عزیز ہوتا ہے یہ ایسی کسوٹی ہے کہ ہم اس پر کس کر اچھی طرح پہچان سکتے ہیں کہ ہمارے علماء واکابر ملت میں سے کسی کا رخ اقتدار کی جانب

ہے اور کون اقتدار کی طرف سے منہ موڑے ہوئے دین واخلاق کی حفاظت میں سعی وکوشش کر رہا ہے؟ اور ان میں سے کون ہے جس کی ملت کو پیروی کرنی چاہیے۔

اور آخری بات یہ کہ ہمارے لیے یہ کس قدر ضروری ہے کہ ہماری نگاہ دنیا کی دل فریبیوں اور رنگینیوں کے باوجود ایک دھوکے کے سوا ہے کیا؟ وہ زندگی جس کے ہوتے ہی سب کچھ ہے وہی اپنے اختیار کی نہیں' موت تو موت ہی ہے۔ ہم نے آپ دیکھا کتنے بادشاہوں اور کتنے ڈکٹیٹروں سے ان کی زندگی ہی میں دنیا نے رخ پھیر لیا اور وہ اسی طرح گولیوں کا نشانہ بنا دیئے گئے' جیسے پاگل' کتنی غدار اور بے وفا ہے یہ دنیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ

طبقہ تبع تابعین میں نہایت ممتاز تھے آپ وقت کے محدثین میں شمار کیے جاتے تھے' خلافت عباسیہ کے آغاز میں ۱۳۵ھ میں مقام بصرہ میں پیدا ہوئے اس وقت بصرہ علماء اور فقہاومحدثین کا گہوارہا بنا ہوا تھا' ذہانت و ذکاوت اور قوت حافظہ میں ابتدائے عمر ہی سے امتیاز رکھتے تھے' اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ زمانہ طالب علمی ہی سے استاد بن گئے تھے' ان کے معاصرین علما نے ان کے علم وفضل کا واضح اعتراف کیا ہے' سیرت واخلاق کے اعتبار سے بھی وہ خصوصی شان رکھتے تھے۔ مشہور محدث جوزیؒ نے انہیں صاحب

زہدو تقویٰ تبع تابعین میں شمار کیا ہے۔ ایوب بن متوکل کہتے ہیں کہ جب ہم کو کسی ایسے شخص سے ملنے کی خواہش ہوتی جو دین و دنیا کا جامع ہو تو ابن مہدیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

خوف و خشیت' زہدو تقویٰ اور اندیشہ آخرت ان کی کتاب زندگی کے روشن باب ہیں' معاملات زندگی میں ہر قدم پر حلال و حرام کا خیال رکھتے۔ کسی چیز میں حرمت کا شبہ بھی ہو جاتا تو اس کو اپنے استعمال میں نہ لاتے' کہا کرتے تھے کہ جو چیز تم خدا کی رضا اور خوشنودی کے لیے چھوڑ دو گے' خدا اس کو تمہارے پاس ضرور واپس کر دے گا' ایک بار میں نے اور میرے بھائی نے شرکت میں تجارت کی جس میں کافی نفع ہوا مگر جب نفع تقسیم ہونے لگا تو مجھے اس مال میں کچھ شبہ پڑ گیا۔ میں اپنے حصہ سے دست بردار ہوگیا۔ خدا کی شان کہ میری زندگی ہی میں وہ تمام دولت پھر میرے اور میرے لڑکوں کے پاس آ گئی وہ اس طرح کہ میرے بھائی نے اپنی تین لڑکیوں کی شادی میری تین لڑکوں سے کر دی اور میں نے اپنی لڑکی کی شادی ان کے لڑکوں سے کر دی' اتفاق سے کچھ روز بعد بھائی کا انتقال ہوگیا اور ان کے سارے مال کے وارث میرے والد اور مرحوم بھائی کی لڑکیاں ہوئیں جو میرے لڑکوں سے بیاہی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد والد کا بھی انتقال ہوگیا اور وہ کل دولت میرے گھر میں آ گئی۔

ایک بار کسی زمین کے بیچنے کا ارادہ کیا فی جریب ڈھائی سو روپے میں

معاملہ طے ہوا تھا دلال نے آپ سے کہا کہ خریدار نے اس زمین کو ویران اور ناقابل کاشت سمجھ کر اتنی قیمت لگائی ہے اگر ہم لوگ اس زمین میں کھاد وغیرہ ڈال کر اس کو قابل کاشت بنا دیں تو اس کی قیمت فی جریب پچاس دینار (پانچ سو روپے) سے زیادہ ہو جائے گی اس طرح پوری زمین میں آپ کو چار ہزار دینار زیادہ مل جائیں گے۔ گو ایسا کرنا غلط نہیں تھا۔ کیونکہ ابھی اس نے قیمت ادا نہیں کی تھی پھر بھی انہوں نے تھوڑے سے مالی منافع کے لیے وعدہ کرنے کے بعد گاہک کو مایوس کرنا ایک طرح کی بدمعاملگی سمجھی اس لیے دلال کی گفتگو سے بہت ناراض ہوئے کہا۔ تم چار ہزار دینار کا لالچ دیتے ہو میں اس چار ہزار دینار سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ: المائدۃ ۱۰۰ حرام اور حلال مال برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ حرام کی کثرت تمہیں کتنی ہی پسند کیوں نہ ہو۔

پھر فرمایا میں ہرگز اس سودے کو فسخ نہیں کر سکتا' خواہ چار ہزار کے بجائے ایک لاکھ دینار کا فائدہ کیوں نہ ہو۔

ثواب آخرت کے حصول کا اتنا شوق تھا کہ اس کے لیے عجیب عجیب خواہشیں کیا کرتے تھے' فرماتے تھے کہ اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ خدا کی نافرمانی ہوگی تو میں یہ تمنا کرتا کہ اس شہر کا ہر شخص میری غیبت

کرے بھلا۔ اس نیکی سے عمدہ کون سی نیکی ہو سکتی ہے جس کو اس نے نہ تو کیا ہو اور نہ اسے اس کا علم ہو' مگر قیامت کے دن حساب ہو تو اس کے صحیفہ اعمال میں وہ نیکی موجودہ ہو' یہ اشارہ اس حدیث نبوی کی طرف ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جب کسی بندہ کی ناحق غیبت کی جاتی ہے تو ہر برائی کے بدلہ میں اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔

عبادات میں نہایت مستعد اور سرگرم تھے' ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ اکثر اوقات پوری پوری رات نفل نماز اور تلاوت قرآن میں گزار دیتے تھے' ان کا عام معمول یہ تھا کہ ہر روز نصف قرآن تلاوت کر لیتے تھے۔ ایک بار پوری رات جاگتے رہے مگر عین صبح کے وقت آنکھ لگ گئی اور نماز فجر قضا ہو گئی' ان کو اس کا اتنا رنج ہوا کہ اس کی تلافی کے لیے بہت دنوں تک زمین پر پیٹھ نہیں لگائی۔

حضرت احنف بن قیسؒ

حضرت احنف بن قیس رحمتہ اللہ علیہ عرب کے قبیلہ بنو تمیم کے سردار تھے' بعض سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ آپ عہد رسالت میں مسلمان ہو گئے تھے۔ بارگاہ رسالت میں حاضری کا موقع نہ ملا' اس لیے تابعین میں شمار ہوتے ہیں لیکن اکثر کے نزدیک آپ نے خلافت صدیقی یا خلافت فاروقی میں اسلام قبول کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بنی تمیم سے سوظن رکھتے تھے'

اور ان کی مذمت کیا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت احنف بن قیسؒ کے سامنے ان کے قبیلے کی مذمت کی تو آپ خاموش نہ رہ سکے' کھڑے ہوگئے اور کہا۔ آپ نے بلا استثنا بنی تمیم کی مذمت کی حالانکہ بنو تمیم بھی عام انسانوں کی طرح ہیں ان میں بھی نیک و بد دونوں طرح کے لوگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تم نے بالکل درست کہا اور ذکر خیر سے اپنے پہلے بیان کی تلافی فرما دی۔

حضرت عمرؓ نے ان کے اخلاق و کردار کی آزمائش کی غرض سے ایک سال تک ان کو اپنے پاس رکھا۔ آخر میں فرمایا میرے تجربے کے مطابق تم میں بھلائی کے سوا کوئی چیز نظر نہ آئی۔ امید ہے تمہارے ظاہر کی طرح تمہارا باطن بھی اچھا ہی ہوگا۔

حضرت احنف بن قیسؒ گوناگوں خصوصیات کے حامل تھے' اعلیٰ درجے کے مدبر' سیاست دان' ملکی مسائل سے واقف' فن حرب وضرب کے ماہر اور شمشیرزن تھے' ایران کی جنگ میں ایک سپہ سالار کی حیثیت سے بڑے بڑے معرکے سرکیے اور کار ہائے نمایاں انجام دیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی تھی' پھر بھی جنگ جمل میں حصہ نہیں لیا۔ مگر جنگ صفین میں ان کی حق پسندی نے کنارہ کشی گوارا نہ کی اس جنگ میں پورے جوش وخروش سے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ان کو حضرت

علیؓ سے توڑنے کے لیے بڑی بڑی ترغیبیں دیں' آخر میں ترہیب سے بھی کام لیا لیکن ان کی حق پسندی کا عالم برقرار رہا۔ چنانچہ یزید کی ولیعہدی کے بارے میں امیر معاویہؓ نے ان کی رائے دریافت کی تو انہوں نے نہایت صفائی سے کہا کہ آپ یزید کے شبانہ روز کے مشاغل اس کے ظاہر اور پوشیدہ اور اس کی آمدورفت کے مقامات سے اچھی طرح واقف ہیں' ان باتوں کے باوجود اگر آپ اسے خدا اور امت محمدیہ کے معاملات کے لیے بہت سمجھتے ہیں تو مشورہ کی ضرورت نہیں' اور اگر ایسا نہیں ہے تو آپ کو عنقریب سفر آخرت پیش آنے والا ہے۔ یزید کو دنیا کا توشہ نہ دیجئے۔

آخر میں بنی امیہ کے طرز عمل سے برداشتہ خاطر ہو کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگئے تھے جنہوں نے اموی حکومت کے خلاف علم خلافت بلند کیا تھا اور اسی حالت میں وفات پائی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت احنف بن قیسؒ کو ظاہری خصوصیات وکمالات کے ساتھ باطنی اوصاف ومحاسن سے بہرہ ور فرمایا تھا' آپ خاصان خدا میں سے تھے جن کی رات عبادت' فکر آخرت اور طلب مغفرت میں گزرتی ہے۔

آپ کو آخرت کی کتنی فکر تھی اور اس کے لیے آپ کیسا اہتمام فرماتے تھے' اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ آپ رات کی تنہائی میں چراغ جلا کر اس پر اپنی انگلی رکھ دیتے تھے اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتے۔

"تجھ کو فلاں فلاں کام کرنے پر کس چیز نے مجبور کیا تھا؟"

رات کے عبادت گزار کی طرح آپ دن کے روزہ دار بھی تھے' روزہ کی وجہ سے قویٰ بہت کمزور ہوگئے تھے' ان کے ایک ملاقاتی نے جن کا نام زید تھا کہا کہ آپ بہت کمزور ہیں روزوں کی وجہ سے آپ بہت کمزور ہوجائیں گے۔ فرمایا ایک بہت لمبے سفر کی تیاری کر رہا ہوں۔

قرآن مجید سے خاص شغف تھا' تنہائی کے اوقات تلاوت میں گزارتے۔ اس قدر عبادت وریاضت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے کہ خدایا اگر میری مغفرت کر دے تو تیری رحمت ہے اور اگر سزا دے تو میں اسی کا مستحق ہوں۔

یہ تھے آخرت کا خوف رکھنے والے' اور اپنے نفس کو آخرت سے ڈرانے والے اور اس کے لیے اس طرح تیاری کرنے والے' ہم دنیا میں سفر کرتے ہیں تو سفر اور مقام کے مطابق کتنی تیاری کرتے ہیں تاکہ راستے میں اور منزل پر پہنچنے میں کسی طرح کی تکلیف کا سامنا نہ ہو' لیکن افسوس کہ ہم آخرت کے سفر کی طرف سے کتنے غافل ہیں۔

حضرت بکر بن عبداللہ مزنیؒ

حضرت بکر بن عبداللہ مزنیؒ بصرہ کے علمائے تابعین میں تھے قبیلہ مزینہ کی نسبت سے مزنی کہلاتے تھے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے بزرگوں سے علم حدیث حاصل کیا تھا' آپ کے تلامذہ میں بزرگ تابعین داخل ہیں' دوسرے علوم کے ساتھ فقہ میں خاص درک رکھتے تھے' اپنے علم و فضل کی وجہ سے "شیخ البصرہ" کے لقب سے مشہور تھے' حکومت سے تعلق رکھنا پسند نہ فرماتے تھے' آپ کے سامنے قضا کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔

بڑے دانشمند اور خوشحال تھے اور خدا کی نعمت سے پورا فائدہ اٹھاتے تھے بیش قیمت کپڑے استعمال کرتے' طبیعت بھی بڑی نفاست پسند تھی' ایک بار چار سو درہم کا کپڑا خریدا' درزی اسے قطع کرنے کے لیے اس پر مٹی سے نشان لگانے لگا تو روک دیا اور کافور سے نشان لگوایا لیکن اس خوشحالی اور نفاست پسندی کے باوجود غریبوں میں چلے جاتے اور ان کو حدیث سناتے۔

دعا کی حالت میں سراپا عجز بن جاتے' رزق کی پراگندگی دل کی پراگندگی کا سبب بن جاتی ہے اس لیے دعا میں عرض کرتے' اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے رزق عطا فرما۔ تاکہ میں تیرا اور زیادہ شکر ادا کروں۔ مجھے اپنے ماسوا سے مستغنی کر دے۔ اے اللہ! یہ میری امیدیں اور آرزوئیں میرے اختیار میں ہیں اور نہ ناپسندیدہ باتوں سے اپنے کو روکنا میرے بس میں ہے دنیا میں مجھ سے زیادہ تیرا کوئی محتاج نہیں۔

اس دعا کے بعد اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرماتے۔ اے ابن آدم!

ایسی امیدو آرزو نہ کر جو تجھے خدا سے بے خوف بنا دے اور اپنے اوپر ایسا خوف وہراس بھی طاری نہ کر جو تجھ کو خدا کی رحمت سے مایوس کر دے۔

خوف آخرت کے معاملے میں آپ کی نگاہ اتنی باریک بین تھی کہ لوگوں کو نصیحت فرماتے۔ زیادہ باتیں نہ کیا کرو۔ اگر تم نے کوئی سچی بات کہی تو اس کا کوئی اجر نہیں اور اگر غلط بات کہی تو قیامت میں اس کا مواخذہ ہوگا۔

۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ بصرہ میں اس قدر مقبول عام تھے کہ لوگ جنازے پر ٹوٹ پڑے تھے۔

حضرت جابر بن زیدؒ

حضرت جابر بن زید رحمتہ اللہ علیہ بھی بصرہ کے تابعین میں تھے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے خاص طور پر فیض حاصل کیا تھا اس لیے "صاحب ابن عباس" کے لقب سے مشہور تھے۔ قرآن و حدیث اور فقہ میں یکساں کمال رکھتے تھے' حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ بصرے میں موجود نہ ہوتے تو آپ ہی ان کی قائم مقامی کے فرائض انجام دیتے' ایک بار حکومت نے ان کو قید کر دیا تو لوگ قید خانے ہی میں ان سے مسائل دریافت کرتے۔ ایاس بن معاویہؒ جو بصرہ کے ممتاز قاضی تھے کہا کرتے تھے کہ جابر کے سوا بصرہ کا کوئی حقیقی مفتی نہ تھا۔ حضرت قتادہؒ نے جو خود بڑے

مرتبہ کے بزرگ تھے۔ حضرت جابر کی وفات سے متاثر ہو کر کہا۔ آج روئے زمین کا علم دفن ہوگیا۔

حضرت جابرؓ علم و عمل دونوں کے جامع تھے لیکن ان کی نگاہ میں نہ دنیا کی کوئی وقعت تھی نہ دنیاوی نعمتوں کی ان کی نگاہ میں سب کچھ آخرت تھی فرماتے تھے۔ "ساٹھ سال کی عمر ہونے کو آئی۔ اس مدت میں مجھ کو بہت کچھ ملا اور خدا نے بہت کچھ نعمتیں ارزانی فرمائیں لیکن ان اعمال خیر کے علاوہ جو میں نے کیے ہیں باقی تمام چیزیں میرے نزدیک جوتے سے بھی زیادہ حقیر ہیں"۔

حضرت محمد بن کعبؒ

خضرت محمد بن کعب رحمتہ اللہ علیہ یہودیان بنو قریظہ سے تھے' عہد رسالتؐ میں پیدا ہو چکے تھے مگر کمسن تھے' ایمان واسلام کی حالت میں زیارت و صحبت نبویؐ سے مشرف نہ ہو سکے' اس لیے مدینہ منورہ کے جلیل القدر تابعین میں شمار ہوتے ہیں' آپ قرآن و حدیث اور فقہ تمام ہی دینی علم سے بہرہ ور تھے۔ زہدو عبادت اور آخرت پسندی میں بھی آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔ قرآن مجید سے خاص شغف تھا۔ ایک رات سورۃ زلزال اور سورۃ قارعہ شروع کی تو صبح صادق تک انہیں دونوں سورتوں کی معانی اور معارف پر غور فکر کرتے رہے' آپ فرماتے تھے کہ تلاوت کے دوران مجھ

پر قرآنی حقائق و معارف کا اس کثرت سے ورد ہوتا ہے کہ رات ختم ہو جاتی ہے مگر ان کی آمد ختم نہیں ہوتی۔

علم و عمل کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود خشیت الٰہی اور خوف آخرت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے اوقات کا بیشتر حصہ انابت واستغفار اور گریہ وزاری میں گزرتا۔ آپ کا یہ حال دیکھ کر ایک بار ان کی والدہ نے کہا۔ محمد! اگر تمہاری پاکبازانہ زندگی میرے سامنے نہ ہوتی تو تمہاری دن رات کی گریہ وزاری اور توبہ وانابت کو دیکھ کر سمجھتی کہ تم سے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہوا ہے' لیکن تم بچپن میں بھی سعادت مند تھے اور اس کے بعد بھی ہمیشہ تم کو نیک سیرت ہی پایا۔

آپ نے کہا۔ ماں! کیسے یقین کر لوں کہ میں گناہوں سے مامون ہوں' ہو سکتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی لغزش ہوگئی ہو جو خدا کی ناراضگی اور اس کے غضب کا باعث ہو۔

ایک بار آپ نے فرمایا کہ زمین کچھ لوگوں کے اوپر روتی ہے اور کچھ لوگوں کے لیے روتی ہے۔ اس کی وضاحت آپ نے یہ فرمائی کہ جو لوگ نیکوکار ہوتے ہیں ان کے مرنے پر زمین ان کے لئے روتی اور دعائے مغفرت کرتی ہے۔ اور بدکاروں کے مرنے پر زمین ان کی حالت پر روتی ہے اور دعائے بد کرتی ہے۔

اے اللہ! آپنے فضل وکرم کے صدقے میں ہمیں ان لوگوں کے

حضرت فضیلؒ بن عیاض

اسلام کے فیضان اور اس گیرائی کو دیکھیے' ان کا خاندان اسلام کے تمام مرکزوں سے دور صوبہ خراسان کا باشندہ تھا' حضرت فضیلؒ کی ولادت ایک چھوٹی سی بستی ابیورد میں ہوئی اس بستی کا ماحول ایسا خراب تھا کہ حضرت فضیلؒ جوانی کی عمر کو پہنچ کر ایک خوفناک ڈاکو بن گئے یہاں تک کہ قافلے ان کے اطراف سے گزرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ جوانی کے ایام میں انہیں ایک دوشیزہ سے عشق ہوگیا۔ لیکن اس سے ملنے کی کوئی راہ نہ ملتی تھی' آخر دل کے تقاضے سے مجبور ہو کر ایک رات اس کی دیوار پھاندنا چاہتے تھے کہ کسی طرف سے کانوں میں قرآن کی یہ صدا پہنچی۔

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (حدید:۱۶) کیا ابھی ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لئے جھک جائیں اور خدا کی طرف سے اترے ہوئے کلام حق کے لئے۔

دل نے بے اختیار جواب دیا۔ "یا رب ان"! میرے مالک وقت آگیا وہاں سے پلٹے تو ایک کھنڈر میں ٹھہر گئے۔ اس کے قریب ہی ایک قافلہ ٹھہرا ہوا تھا' اہل قافلہ آپس میں مشورہ کر رہے تھے کہ کب کوچ کیا جائے۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ اب چلنا چاہیے لیکن دوسرے لوگوں کا کہنا تھا کہ شب میں سفر مناسب نہیں' یہ فضیل کا علاقہ ہے جس میں عموماً" قافلے لٹ

جاتے ہیں اہل قافلہ کی گفتگو حضرت فضیلؒ کے لئے ایک تازیانہ ثابت ہوئی زبان پر یہ دعا جاری ہو گئی۔

اللھم تبت الیک وجعلت توبتی بھجاورۃ البیت الحرام۔ الٰہی! میں تیری طرف پلٹتا ہوں اور اس توبہ کے ذریعہ اپنی زندگی تیرے محترم گھر کی ہمسائیگی کے لئے وقف کرتا ہوں۔

ترک وطن کر کے کوفہ پہنچے جو اسلامی علوم کا ایک خصوصی مرکز تھا۔ یہاں جلیل القدر فقہاو محدثین موجود تھے ان سے قرآن حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی جن بزرگوں سے آپ نے استفادہ کیا ان میں امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بھی ہیں اور اس مرتبہ پر پہنچے کہ کتنے دوسرے بزرگوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا' یہاں سے مکہ معظمہ چلے گئے اور باقی عمر بیت اللہ کے جوار میں گزار دی۔

حج کا زمانہ تھا قیام منا کی پہلی رات تھی' خلیفہ ہارون رشید بھی حج کرنے آیا ہوا تھا اور منا میں مقیم تھا اس کا وزیر فضل بن ربیع بھی ہمرکاب آیا تھا فضل اپنے خیمے میں سویا ہوا تھا کسی نے باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ فضل کی آنکھ کھل گئی پوچھا کون ہے؟ جواب ملا۔ امیرالمومنین تشریف لائے ہیں۔ فضل جلدی سے باہر نکلا تو دیکھا تو باہر خلیفہ ہارون کھڑا تھا۔

فضل نے عرض کیا۔ "امیرالومنین نے کیوں تکلیف کی۔ میں خود حاضر ہو جاتا"۔

ہارون نے کہا۔ "میرے دل میں ایک خلش سی محسوس ہو رہی ہے مجھے کسی با خدا بزرگ کے پاس لے چلو جو میرے دل کو تسکین دے سکے"۔

فضل نے کہا "حرم پاک کے مشہور محدث سفیان بن علینیہ' قرب ہی میں مقیم ہیں مرضی ہو تو ان کے پاس چلوں؟"

ہارون بولا۔ "ہاں ان کے پاس چلو"۔

دونوں حضرات سفیان عیینہ کے خیمے پر گئے۔ فضل نے دروازے پر دستک دی' اندر سے آواز آئی۔ "کون ہے؟" فضل نے جواب دیا "امیرالمومنین تشریف لائے ہیں"۔

ابن علینیہ جلدی سے باہر نکلے بولے "امیرالمومنین نے مجھے بلوا لیا ہوتا' میں خود حاضر ہو جاتا"۔

ہارون نے کہا۔ "ہم ایک خاص غرض سے آئے ہیں"۔

کچھ دیر کی گفتگو کے بعد ہارون نے پوچھا۔ "کیا آپ پر کچھ قرض ہے؟"

ابن علینیہ نے کہا "جی ہاں"۔

ہارون نے فضل سے کہا۔ "ابوالعباس! ان کے قرض کی ادائیگی کا انتظام کر دینا"۔ یہ کہہ کر رخصت ہو گیا۔

راستے میں ہارون نے فضل سے کہا۔ "ان سے مجھے اطمینان قلب

حاصل نہیں ہوا"۔

فضل نے عرض کی۔ "دوسری طرف عبدالرزاق بن ہمام صنعانی مقیم ہیں۔

ہارون بولا۔ "تو انہیں کے پاس چلو"۔

خیمے کے پاس پہنچ کر فضل نے آواز دی' اندر سے سوال ہوا کون ہے؟

فضل نے جواب دیا۔ "امیرالمومنین تشریف لائے ہیں"۔

عبدالرزاق بن ہمام جلدی سے باہر نکل آئے۔ بولے "امیرالمومنین طلب فرماتے' میں حاضر ہو جاتا"۔

ہارون نے کہا۔ "میں ایک مقصد سے آیا ہوں اس کے پورا کرنے میں کوشش کیجئے"۔

اس کے بعد ہارون نے کچھ دیر ان سے بات چیت کی' پھر پوچھا' آپ کچھ قرض دار ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "جی ہاں"

ہارون نے فضل کو حکم دیا۔ "ان کا قرض ادا کر دیا جائے"۔

دونوں باہر نکلے تو خلیفہ نے کہا۔ "ان سے بھی میری تشفی نہیں ہوتی"۔ فضل نے کہا "مشائخ حرم میں سے فضیل بن عیاض بھی یہیں مقیم ہیں۔

خلیفہ نے کہا۔ "انہیں کے پاس چلیں"۔

دونوں ان کے خیمے پر پہنچے تو وہ مصروف نماز تھے اور قرآن مجید کی ایک آیت کو بار بار دہرا رہے تھے' انہوں نے سلام پھیرا تو فضل نے دروازے پر دستک دی۔ پوچھا۔ "کون ہے؟"

فضل نے کہا "امیرالمومنین تشریف لائے ہیں

حضرت فضیلؒ نے اندر ہی سے فرمایا۔ "مجھے امیرالمومنین سے کیا غرض؟"

فضل نے کہا "سبحان اللہ! کیا آپ پر امیرالمومنین کی اطاعت واجب نہیں؟"

حضرت فضیل بن عیاضؒ نے دروازہ کھول دیا لیکن ساتھ ہی چراغ گل کر کے ایک گوشے میں کھڑے ہو گئے۔

ہارون اور فضل دونوں اندھیرے میں ان کو ڈھونڈنے لگے۔ آخر ہارون نے ان کو پا لیا' اس کا ہاتھ حضرت فضیلؒ کے ہاتھ سے ٹکرایا تو بولے کتنا نرم اور خوش نصیب ہاتھ ہے۔ اگر یہ قیامت کے روز عذاب الٰہی سے محفوظ رہا"

ہارون نے کہا آپ پر خدا کی رحمت ہو ہم جس غرض سے حاضر ہوئے ہیں اس کو پورا کیجئے"۔

حضرت فضیل نے فرمایا۔ "آپ کس غرض سے آئے ہیں؟ آپ نے خود بھی اپنی ذات پر اعتماد کر لیا ہے اور آپ کے ساتھی بھی آپ پر اعتماد

کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر آپ ان سے کہیں کہ وہ آپ کے گناہوں کا کچھ بار اپنے اوپر لے لیں تو وہ اس کے لئے تیار نہ ہوں گے' بلکہ وہ جس قدر آپ سے اظہار محبت کرتے ہیں اتنا ہی دور بھاگیں گے"۔

خیمہ اسی طرح تاریک تھا' حضرت فضیلؒ نے ایک لمحہ خاموش رہ کر پھر کہنا شروع کیا۔ "عمر بن عبدالعزیزؒ نے زمام خلافت ہاتھ میں لی تو سالم بن عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ' محمد بن کعب القرظی اور جابن الحیواۃ کو بلا بھیجا اور ان سے کہا۔ "میں آزمائش میں ڈال دیا گیا ہوں۔ مجھے کوئی مشورہ دو"۔ تو اے امیرالمومنین! انہوں نے خلافت کو ایک آزمائش خیال کیا' مگر آپ اور آپ کے ساتھی اسے نعمت سمجھ کر اس پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ سالم نے جواب دیا۔ "اگر قیامت کے دن اللہ سے نجات چاہتے ہیں تو مسلمانوں میں جو سن رسیدہ ہیں۔ ان کو اپنے باپ کا ہم سر جوا وسط عمر کا ہے اس کو اپنا بھائی اور جو چھوٹا ہے اسے اپنی اولاد سمجھئے۔ اپنے باپ سے نیک کے ساتھ پیش آیئے۔ اپنے بھائی کو رحم وکرم سے نوازیے اور چھوٹے پر شفقت کیجئے"۔ اور رجابن حیواۃ نے کہا۔ "اگر آپ قیامت کے روز اللہ کے عذاب سے بچنا چاہیں تو مسلمانوں کے لئے بھی وہی پسند کیجئے جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور جس چیز کو اپنے لئے ناپسند کیجئے۔ وہ مسلمانوں کے لئے بھی ناپسند کیجئے۔ پھر جب چاہیے اپنی جان جاں آفریں کے حوالے کر دیجئے۔ پس اے امیرالمومنین میں بھی آپ سے یہی بات کہتا ہوں' میں آپ

کو اس دن سے ڈراتا ہوں۔ جب بڑے بڑے مضبوط قدم ڈگمگا جائیں گے' اللہ آپ پر رحم کرے کیا آپ کے ساتھی عمر بن عبدالعزیز کے ساتھیوں کی طرح ہیں جو آپ کو ان کی سی باتوں کی تلقین کرتے ہوں؟

یہ سن کر خلیفہ اتنا رویا کہ اسے غش آگیا۔ وزیر نے حضرت فضیلؒ سے کہا امیرالمومنین کے ساتھ نرمی اختیار کیجئے۔

حضرت فضیلؒ نے ارشاد فرمایا۔ امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک گورنر نے ان سے شکایت کی کہ اسے اتنا کام کرنا پڑتا ہے کہ رات میں اسے نیند نہیں آتی' عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے جواب میں لکھا کہ برادر دوزخی دوزخ میں ہمیشہ بیدار رہیں گے' کبھی سو نہ سکیں گے اسے یاد کرو ایک روز تم کو سوتے یا جاگتے تمہارے رب کی طرف ہنکالے جایا جائے گا تو دیکھو ایسا نہ ہو کہ تمہارا قدم اس راستے پر ڈگمگا جائے اور تم عہد سے بچھڑ جانے والوں میں شمار کئے جاؤ اور امید تم سے منقطع ہو جائے"۔

اس گورنر نے یہ مکتوب پڑھا تو منزلیں طے کرتا ہوا عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس پہنچا ابن عبدالعزیزؒ نے پوچھا کیسے آئے؟ اس نے کہا۔ "آپ کے مکتوب نے میرے دل کے پردے چاک کر دیئے اب میں زندگی میں کسی صوبے کی گورنری قبول نہ کروں گا"۔

خلیفہ یہ سن کر زار زار رویا اور کہا "کچھ اور فرمایئے"۔

حضرت فضیلؒ نے فرمایا۔ "امیرالمومنین! حضرت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی' اے اللہ کے رسولؐ! مجھے کسی صوبے کی گورنری عطا فرمایئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ "عباس! ایسا نفس جسے تم زندہ اور سلامت رکھ سکو۔ اس حکومت سے بہتر ہے جس کی ذمہ داریوں کا شمار نہیں' حکومت قیامت کے روز حسرت و ندامت کا باعث ہوگی' اس لئے حکومت کی تمنا سے دل کا دامن بچا سکتے ہو تو بچاؤ"۔

اور زندگی کے شب و روز اس طرح گزار کہ تیرے دل میں اپنی رعایا کی طرف سے کھوٹ اور کینہ نہ ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اس حالت میں صبح کی کہ اس کے دل میں اپنی رعایا کی طرف سے کینہ بھرا ہوا ہے وہ جنت کی بو بھی سونگھنے نہ پائے گا۔

خلیفہ پھر زار زار رویا اور پوچھا "آپ پر کوئی قرض ہے؟"

حضرت فضیلؒ نے جواب دیا "ہاں! مجھ پر میرے رب کا قرض ہے جس کا وہ مجھ سے محاسبہ کرے گا۔ پس ہلاکت ہے میرے لئے جب کوئی دلیل کام نہ دے گی"۔

ہارون نے کہا۔ "میری مراد لوگوں کے قرض سے ہے"۔

حضرت فضیلؒ نے فرمایا۔ میرے رب نے مجھ کو اس کی اجازت نہیں دی ہے اس نے حکم دیا ہے کہ میں اس کے وعدہ کو سچ مانوں اور اس کی

اطاعت بجا لاؤں۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۔ ⑤⑥ الذاریٰت ۵۸ میں نے جن و انس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔ میں نہ تو ان سے روزی چاہتا ہوں' اور نہ ہی چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں بلاشبہ اللہ ہی رزق دینے والا اور مستحکم قوت والا ہے۔

خلیفہ ہارون رشید نے کہا "یہ ایک ہزار دینار رکھ لیجئے اور اپنے اہل وعیال کے کام میں لائیے' اور اپنے رب کی عبادت میں ان سے قوت حاصل کیجئے"۔

حضرت فضیلؒ نے فرمایا "سبحان اللہ! میں نے آپ کو راستی کا طریقہ بتایا اور آپ مجھے ایسا بدل دے رہے ہیں؟"...

یہ فرما کر حضرت فضیل بن عیاضؒ خاموش ہوگئے۔ خلیفہ اپنے وزیر فضل بن ربیع کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور خیمے سے باہر نکل گیا اور فضل سے کہا جب میں یہ کہوں کہ کسی کے پاس لے چلو تو ایسے ہی کسی شخص کے پاس لے چلا کرو حق یہ ہے کہ سید المسلمین ہیں۔

قرآن مجید ہی سے حضرت فضیل کی زندگی بدلی تھی' تمام عمر آپ پر قرآن کا یہی اثر رہا۔

آپ کے خادم خاص حضرت ابراہیم اشعث کہتے ہیں کہ قرآن کا ذکر یا

اس کی آیت سن کر ان پر خوف وحزن کا غلبہ ہو جاتا' آنکھیں اشک بار ہو جاتیں اور کچھ اسطرح روتے کہ حاضرین کو دیکھ کر ترس آنے لگتا۔

ایک بار حضرت احمد بن حنبل رحمتہ اللہ کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت فضیل بن عیاضؒ سے ملنے گئے' اندر جانے کی اجازت طلب کی' اجازت نہ ملی' ایک شخص نے کہا۔ "اگر وہ قرآن کی قرات کی آواز سن لیں تو فوراً باہر آ جائیں' چنانچہ ایک شخص نے بلند آواز سے سورۃ تکاثر کی قرات شروع کی جس کے سنتے ہی آپ باہر نکل آئے۔ حال یہ تھا کہ شدت گریہ سے آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔

آپ نے محرم ۱۸۷ھ میں وفات پائی۔ عمر اسی سال سے زیادہ ہو چکی تھی۔

مزید استفادہ کے لئے حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ کے کچھ کلمات و ارشادات بھی دیکھیے۔

آپ فرماتے تھے کہ جب کبھی مجھ سے خدا کی نافرمانی ہوتی ہے تو میں اپنے گدھے' اپنے خادم اور اپنی بیوی تک میں اس کا اثر محسوس کرتا ہوں۔

حضرت فضیلؒ کا قلب کتنا زندہ اور بیدار تھا' جو آپ اپنی حالت پر اتنی گہری نگاہ رکھتے تھے۔

آخرت کے مقابلے میں دنیا آپ کے نزدیک اتنی حقیر و ذلیل تھی کہ فرماتے "اگر اپنی تمام تر آسائشوں اور آرائشوں کے ساتھ مجھے دنیا مل جائے

اور اس کے استعمال کے بارے میں کسی محاسبہ کا خوف نہ ہو جب بھی میں اس سے اس طرح بچوں گا۔ جس طرح تم لوگ مردار کھانے سے بچتے رہو"۔

ایک مسلمان کے لئے رزق کا معاملہ بڑی اہمیت رکھتا ہے' اکثر اہل اللہ اس بارے میں اتنے محتاط تھے کہ اپنا رزق خود پیدا کرتے تھے اور اس کے لئے کسی پیشے سے روزی حاصل کرنے میں بھی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ آپ بہشتی کا کام کرتے تھے اور اسی سے اپنے اہل وعیال کا خرچ چلاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اس بات کا لحاظ رکھے کہ اس کے پیٹ میں کیا جا رہا ہے وہ خدا کے یہاں صدیقوں میں شمار ہوگا۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ تم اس کا لحاظ رکھو کہ رزق کہاں سے اور کس ذریعہ سے آ رہا ہے۔

آپ حق کی وصیت کرنے اور ڈرانے میں جس قدر بے باک تھے اس کا مفصل واقعہ اوپر گزر چکا ہے۔ ایک بار آپ نے خلیفہ ہارون رشید کے جواب میں بڑی ہی چبھتی ہوئی بات کہی' خلیفہ نے کہا۔ آپ کے زہد کا کیا کہنا۔ آپ نے فرمایا۔ "آپ تو ؐ سے بھی بڑے زاہد ہیں کیونکہ میں نے دنیا سے بے رغبتی اختیار کی ہے جس کی حقیقت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں اور آپ نے آخرت سے بے نیازی اختیار کر رکھی ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی کوئی قیمت نہیں۔ میں فانی کا زاہد ہوں اور آپ تو باقی کے زاہد ہیں۔

حضرت ابن فضیل رحمتہ اللہ علیہ کے اس ارشاد میں ہمارے لئے بھی بہت بڑی تنبیہہ و موعظت ہے' ہم کو بھی سوچنا چاہیے کہ ہم کس چیز میں مشغول ہیں اور کس چیز سے غافل ہو رہے ہیں۔

آپ جس طرح خلیفہ وقت کو نصیحت فرماتے تھے اسی طرح وقت کے ائمہ کو بھی جھڑکا کرتے' حضرت ابن علینیہ اپنے وقت کے امام تھے' ایک بار آپ نے ان سے کہا۔ آپ علمائے دین زمین کا چراغ تھے جن سے روشنی حاصل کی جاتی تھی لیکن آپ خود ظلمت کا سبب بن گئے' آپ لوگ ستاروں کے مانند تھے جن سے گم کردہ راستہ پا سکتے تھے' مگر آپ سراپا حیرت بن گئے ہیں۔ آپ میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو ان ظالم حکمرانوں کا مال لینے اور مسند درس پر بیٹھ کر حد ثنا فلان عن فلان کہنے سے شرمائے"۔

موجودہ زمانے میں ہم عوام کا جیسا کچھ حال ہے وہ تو ہے ہی ہمارے علماء کا کیا حال ہے یہ انہیں کے سوچنے کی بات ہے۔

حکیم حنین بن اسحاق

حکیم حنین بن اسحاق خلیفہ متوکل علی اللہ عباسی کے عہد کے ایک ممتاز ماہر فن اور حاذق طبیب تھے۔ خلیفہ نے چاہا کہ ان کو اپنا ذاتی طبیب

مقرر کر کے ان کی مہارت و قابلیت سے فائدہ اٹھائے۔ وہ شخصی حکومت کا زمانہ تھا' خلفاے اور سلاطین کو اپنی جان کا خطرہ رہتا تھا۔ ایک شاہی طبیب سازش کا شکار ہو کر بڑی آسانی سے حکمران کی زندگی کا خاتمہ کر سکتا تھا۔ اس لئے خلیفہ نے ضروری سمجھا کہ حنین بن اسحاق کو اپنا طبیب مقرر کرنے سے پہلے ان کی اچھی طرح آزمائش کرے۔ چنانچہ اس نے ابن اسحاق کو طلب کر کے ان سے تنہائی میں کہا کہ "ابن اسحاق! جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں طلب کیا ہے؟

ابن اسحاق۔ "امیرالمومنین کے دل کی بات کیسے جان سکتا ہوں؟"

خلیفہ۔ "میں نے تمہیں ایک خاص غرض سے بلایا ہے اور میں سمجھتا ہوں وہ ضرورت تمہیں سے پوری ہو سکتی ہے"۔

ابن اسحاق۔ "میری ہر خدمت امیرالمومنین کے لئے حاضر ہے"۔

خلیفہ۔ "اسی لئے تو میں نے تمہیں طلب کیا ہے۔ میرا ایک بدخواہ ہے۔ اسے قتل کرنا خلاف مصلحت ہے۔ تم کوئی ایسی دوا تیار کر دو کہ اس کے ذریعہ اسے ہلاک کر دیا جائے"۔

ابن اسحاق۔ "امیرلمومنین کا اصل مقصد بدخواہ کی بدخواہی کا خاتمہ کرنا ہے یا خود بدخواہ کا؟"

خلیفہ۔ "اس سوال سے تمہارا کیا مقصد ہے؟"

ابن اسحاق "میں سمجھتا ہوں امیرالمومنین کا مقصد بدخواہ کی بدخواہی کا

ہی خاتمہ کرنا ہے اور اس کا بہتر طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ امیرالمومنین اپنے حسن سلوک سے اسے اپنا بہی خواہ بنالیں"۔

خلیفہ۔ میں نے تمہیں مشورے کے لئے نہیں بلایا ہے اور نہ مجھے تمہاری نصیحت کی ضرورت ہے۔ اپنی ضرورت اور مصلحت کو میں بہتر طور پر سمجھتا ہوں۔ تم ایک خوشگوار مہلک دوا تیار کر دو۔

ابن اسحاق۔ امیرالمومنین! میں ایک طبیب ہوں' میرا پیشہ ایک مقدس پیشہ ہے' میرا کام تا امکان بندگان خدا کی جان کی حفاظت کرنا ہے' نہ کہ ان کو ہلاک کرنا۔ میں نے آج تک ایسی کوئی دوا نہیں بنائی"۔

خلیفہ۔ ابن اسحاق! تم میرا یہ کام کر دو۔ میں تمہیں خلعت فاخرہ سے نوازوں گا۔ اور ایک لاکھ درہم نقد دوں گا۔

ابن اسحاق۔ امیرالمومنین! آج تو میں آپ کی خوشنودی اور انعام واکرام کے لئے ایک شخص کی ہلاکت کا سامان کر دوں لیکن کل خدا کو کیا جواب دوں گا اور اس روز آپ کی خوشنودی اور یہ رقم میرے کس کام آئے گی؟۔

خلیفہ۔ "اگر تم نے میری فرمائش کی تعمیل نہ کی تو میں پہلے تم کو قید میں ڈال دوں گا اور اس کے بعد قتل کرا دوں گا"۔

ابن اسحاق۔ "مجھے دنیا میں جو مصیبت بھی برداشت کرنی پڑے اور میرا جو بھی انجام ہو اسے برداشت کر لوں گا۔ لیکن اپنی عاقبت برباد نہ کروں گا"۔

خلفاء اور سلاطین مختار مطلق ہوا کرتے تھے۔ ان کی مرضی کی راہ میں کون حائل ہو سکتا تھا؟ خلیفہ نے ابن اسحاق کو قید خانے بھجوا دیا اور قید خانے کے افسر کو ہدایت کر دی کہ قیدی کے ساتھ کوئی رعایت نہ کی جائے۔ پوری سختی سے کام لیا جائے۔ قید خانے کے افسر نے شاہی حکم کی پوری پوری تعمیل کی۔

کچھ دنوں کے بعد خلیفہ نے ابن اسحاق کو طلب کر کے پھر ان سے تنہائی میں گفتگو کی کہا۔ ابن اسحاق! اب کیا کہتے ہیں؟ میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو یا تمہاری گردن مار دی جائے؟۔

ابن اسحاق۔ امیرالمومنین کو ہر طرح کا اختیار ہے۔ آپ جو چاہیں کریں، لیکن میرے سامنے اب بھی آخرت کا سوال ہے۔ میں دنیا کی ہر سختی برداشت کر سکتا ہوں لیکن اپنی آخرت برباد نہیں کر سکتا۔

خلیفہ۔ ابن اسحاق! میں تم کو مرحبا کہتا ہوں، تم میری آزمائش میں پورے اترے۔ تم بلاشبہ ایک خدا ترس اور لائق اعتماد طبیب ہو۔ اگر تم میری ترغیب یا میری سختی سے متاثر ہو جاتے تو میں تم کو جلاد کے حوالے کر دیتا میں تمہیں اپنا ذاتی طبیب بنانا چاہتا ہوں۔ اس لئے تمہیں ہر طرح کی آزمائش کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری تھا۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ تم ہر طرح لائق اعتماد ثابت ہوئے۔ خلیفہ نے ابن اسحاق کو خلعت فاخرہ اور ایک لاکھ درہم دے کر ان کو اپنا ذاتی طبیب بنا لیا۔

شیخ عمرو بن عمیدؒ

سلطان الپ ارسلان بغداد کا ایک نیک دل فرمانروا تھا' اسے اپنے اعزہ واقربا کو جو وظیفے دینے پڑتے تھے۔ ان سے سرکاری خزانے پر بڑا بار پڑ رہا تھا۔ سلطان نے سوچا۔ دوسرے لوگوں کی بجائے اگر وظیفہ یاب شہزادوں کو اضلاع کی حکومتوں پر مامور کر دیا جائے تو سرکاری خزانے کا بار کچھ کم ہو جائے۔ اس اعتبار سے تجویز معقول تھی' سلطان نے اس تجویز کو اپنے مشیروں کے سامنے پیش کیا' سب نے تائید کی' مگر سلطان کے وزیر اعظم نظام الملک طوسی نے کوئی رائے ظاہر نہ کی۔ سلطان سمجھ گیا کہ وزیراعظم اس تجویز سے متفق نہیں ہے مگر اس نے لوگوں کے سامنے اسے کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ علیحدگی میں اس سے بات کی مگر وزیراعظم نے پھر بھی کھل کر اپنی رائے ظاہر نہ کی' جب سلطان نے بہت اصرار کیا تو اس نے حضرت شیخ عمرو بن عمید اور خلیفہ منصور عباسی کا حسب ذیل واقعہ بیان کیا۔

خلیفہ منصور عباسی نے خلافت کے بڑے بڑے عہدوں پر اپنے خاندان کے لوگوں کو مامور کر دیا تھا' وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کی بنا پر اپنے کو ہر گرفت سے محفوظ سمجھتے تھے' اس لئے لوگوں پر ظلم و تشدد کرتے رہتے تھے۔ مظلوم و مقہور فریاد کرتے تو ان کی شنوائی نہ ہوتی' خلیفہ منصور اپنے

اعزہ واقربا کی کھلی ہوئی بدعنوانیوں اور زیادتیوں کو بھی نظر انداز کر دیتا۔

شیخ عمرو بن عمیدؒ بغداد کے ایک ممتاز بزرگ تھے' جن کا خلیفہ منصور بھی احترام کرتا تھا۔ لوگوں نے ان سے فریاد کی۔ شیخ نے منصور کو مظلوموں کی داد رسی کی طرف توجہ لائی' لیکن اس نے کوئی پروا نہ کی' شیخ دل برداشتہ ہو کر حجاز چلے گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ جب کافی عرصہ گزر گیا اور شیخ واپس نہ آئے تو منصور نے ان کے پاس اپنا قاصد بھیجا۔ اور کہلا یا کہ میں بڑی بے چینی سے آپ کی واپسی کا انتظار کر رہا ہوں' مگر شیخ نے واپسی سے انکار کر دیا۔ خلیفہ کو ان کے انکار پر بڑا تعجب ہوا' اس نے اپنے ایک خاص معتمد کو شیخ کے پاس بھیجا تاکہ وہ یہ معلوم کرے کہ شیخ اپنے وطن بغداد سے اتنے بیزار کیوں ہیں؟ قاصد کے دریافت کرنے پر شیخ نے کہا کہ میں ضعف قلب اور رقت طبع میں مبتلا ہوں۔ بغداد میں مظلوم میرے پاس آتے' اپنی مظلومیت کی روداد سناتے ہیں۔ میں خلیفہ کو دادرسی کی طرف توجہ دلاتا تو وہ توجہ نہ کرتا۔ میرے لئے یہ صورت حال ناقابل برداشت ہوگئی اور میں بغداد چھوڑنے پر مجبور ہو گیا' جو شخص ظلم کے دفع کرنے پر قادر ہونے کے بعد دفع نہ کرے' وہ قیامت کے روز چشم پوشی کی پاداش میں پکڑا جائے گا۔

شیخ عمرو بن عمیدؒ کے اس جواب سے خلیفہ منصور بہت متاثر ہوا۔ اس نے شیخ سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ مظلوموں کی فریاد رسی کے

متعلق بے اعتنائی سے نہ لے گا۔

سلطان الپ ارسلان خاموشی کے ساتھ یہ واقعہ سنتا رہا نظام الملک واقعہ پورا کر چکا تو سلطان بولا۔ شیخ عمرو بن حمید خدا کے نیک بندے تھے اور اس نے شہزداوں کو حکومت پر مامور کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

خدا ترسی اور خوف آخرت ہی نیکی اور انسانیت اور عدل وانصاف کا سبب منتی ہے۔

حضرت مالک بن دینارؒ

حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ مشہور اہل اللہ میں سے تھے' ابتدا میں آپ فوجی تھے' اور کثرت سے شراب پیا کرتے تھے' آپ کی توبہ کا واقعہ بڑا سبق آموز ہے' جسے ایک شخص کے دریافت کرنے پر آپ نے خود ہی بیان فرمایا ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ میری ایک نہایت حسین وجمیل لونڈی تھی اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ وہ بھی ماں کی طرح خوبصورت تھی' میں اس لڑکی سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ وہ میری گود میں ہوتی اور میں شراب کا گلاس منہ سے لگانا چاہتا تو وہ گلاس چھین کر شراب میرے کپڑوں پر انڈیل دیتی' لیکن میں فرط محبت سے اسے ڈانٹ ڈپٹ نہ کر سکتا۔ وہ لڑکی دو

برس کی ہوئی تو اس کا انتقال ہوگیا۔ مجھے اس کے مرنے کا بڑا غم ہوا' ماہ شعبان کی پندرھویں شب تھی' میں اس مبارک رات میں بھی شراب پئے بغیر نہ رہ سکا اور عشاء کی نماز پڑھے بغیر ہی سوگیا۔ میں نے خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہوگئی ہے اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل نکل کر میدان حشر کی طرف بھاگے جا رہے ہیں' انہیں میں میں بھی ہوں۔ مجھے اپنے پیچھے کسی چیز کے آنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک خوفناک اژدہا میرا تعاقب کر رہا ہے میں گھبرا کر بھاگا۔ اس نے بھی اس تیزی سے میرا پیچھا کیا۔ سامنے ایک بوڑھے میاں نظر آئے جو نہایت نفیس اور معطر لباس پہنے ہوئے تھے' میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا' میں نے ان سے کہا۔ اس اژدہا سے مجھ کو بچایئے۔ انہوں نے جواب دیا۔ میں نہایت ضعیف آدمی ہوں' میں تم کو ایسے قوی اژدہے سے کیسے بچا سکتا ہوں' تم اسی طرح بھاگے چلے جاؤ۔ شاید آگے نجات کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ بھاگتے بھاگتے مجھے ایک ٹیلا ملا۔ اور میں اس پر چڑھ گیا۔ اس پر چڑھ کر کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے دوزخ اپنی انتہائی ہولناکی کے ساتھ بھڑک رہی ہے۔ لیکن مجھ پر اژدہا کا ایسا خوف طاری تھا کہ میں آگے ہی بڑھتا چلا جا رہا تھا اور قریب تھا کہ میں دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جاپڑوں کہ ناگہاں ایک زور کی آواز میرے کانوں میں پڑی کہ پیچھے ہٹ! تو دوزخیوں میں نہیں ہے یہ آواز سن کر میں پیچھے پلٹا' اژدہا اب بھی میرے تعاقب میں تھا۔ راستے

میں پھر بڑے میاں ملے' میں نے پھر ان سے مدد کی درخواست کی۔ انہوں نے اس بار بھی وہی جواب دیا جو پہلے دے چکے تھے اور فرمایا سامنے دوسری پہاڑی ہے' اس پر چڑھ جاؤ' شاید وہاں تم کو پناہ مل جائے' میں اس پہاڑی پر چڑھ گیا' اژدہا یہاں بھی میرے تعاقب میں تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک گول پہاڑ ہے' اس میں بہت سی کھڑکیاں ہیں' ان کے کواڑ سونے کے ہیں جن پر یاقوت اور موتی جڑے ہوئے ہیں' میں اس پہاڑ پر چڑھنے لگا تو فرشتوں نے آواز دی کہ کھڑکیوں کے کواڑ کھول دو اور باہر نکل آؤ۔ شاید تم میں کوئی ایسا ہو جو اس مصیبت زدہ کی مدد کر سکے۔ اس آواز کے ساتھ ہی کواڑ کھل گئے' اور کھڑکیوں میں سے چاند کی سی صورت کے حسین و جمیل بچے نکل آئے۔ اب وہ اژدہا میرے اسقدر قریب آگیا تھا کہ بس مجھے پکڑ ہی لے گا' بچوں نے دوسرے بچوں کو آواز دی کہ جلدی نکلو اس شخص کو اژدہے سے بچاؤ۔ اس آواز پر گروہ کے گروہ بچے نکل پڑے' جن میں میری بچی بھی تھی وہ مجھے دیکھتے ہی بے اختیار میری طرف دوڑی' اور میرے ابا۔ میرے ابا کہتے ہوئے میرے پاس آکر مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے اس گود میں اٹھا لیا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ اژدہا کی طرف بڑھایا وہ بھاگ گیا اور بایاں ہاتھ میری داڑھی پر پھیرتے ہوئے کہا۔ ابا جان!الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق۔ (کیا ایمان والوں کے لئے یہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لئے

جھک جائیں اور جو ہدایت حق اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے) اس کی تنبیہہ یہ سن کر رونے لگا۔

میں نے پوچھا۔ بیٹی! وہ اژدہا کیسا تھا جو میرے پیچھے پڑا ہوا تھا؟ بچی نے جواب دیا۔ وہ آپ کے برے اعمال تھے جو اژدہے کی صورت اختیار کر کے آپ کو جہنم میں ڈال دینا چاہتے تھے' میں نے پوچھا۔ وہ بوڑھے بزرگ کون تھے؟

لڑکی نے کہا' وہ آپ کے نیک اعمال تھے جو اتنے کمزور تھے کہ وہ آپ کو اژدہے سے بچا نہ سکتے تھے' یہ بھی غنیمت سمجھئے کہ انہوں نے آپ کو نجات کا راستہ بتا دیا۔

یہ خواب میری توجہ کا باعث ہوا' میں نے بیدار ہوتے ہی اپنی بد اعمالیوں سے ہمیشہ کے لئے توبہ کرلی۔

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ بیت المقدس کے کوہستان سے گزر رہا تھا کہ ایک طرف سے میرے کانوں میں کچھ آواز آئی جس طرف سے آواز آئی تھی میں اس طرف گیا' دیکھا ایک بزرگ ایک درخت کے نیچے نماز میں مصروف تھے اور اس آیت کی تکرار کر رہے تھے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ○ (آل عمران : ۳۰) اس روز

ہر شخص اس کو بھی موجود پائے گا جو اس نے نیکی کی ہوگی اور اسے بھی جو اس نے بدی کی ہوگی' اس وقت وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس میں اور اس برائی کے درمیان دور کی مسافت واقع ہو جاتی' اور خدا تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان بھی ہے۔

میں چپکے سے ان کے پیچھے بیٹھ گیا وہ اس آیت کو دہراتے جا رہے تھے اور روتے جا رہے تھے' پھر انہوں نے ایک دفعہ زور سے چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے' دیر کے بعد ہوش میں آئے تو کہنے لگے۔ اے اللہ! میں تجھ سے جھوٹے طور پر کھڑے ہو کر رونے سے پناہ مانگتا ہوں' اے اللہ! میں تجھ سے بیہو وہ لوگوں کے اعمال سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے غافل لوگوں کے اغراض سے پناہ مانگتا ہوں۔ خدایا! اہل خشیت کے دل تجھ سے عاجزی کرتے ہیں اور نیک عمل میں کوتاہی کرنے والے تجھی سے امید رکھتے ہیں اور اہل عرفان کے قلوب تیری ہی عظمت و کبریائی کے سامنے اظہار عجزو نیاز کرتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اس طرح جھاڑا جیسے لوگ مٹی وغیرہ لگ جانے کی صورت میں ہاتھ جھاڑا کرتے ہیں' پھر کہنے لگے۔ مجھے دنیا سے کیا غرض اور دنیا کو مجھ سے کیا واسطہ؟ اے دنیا! تو اپنے بیٹوں کے پاس جا! جو تیری نعمتوں کے قدر شناس ہیں' تو اپنے عاشقوں کے پاس جا! انہیں پر اپنا دام فریب ڈال! مجھے پریشان نہ کر' اگلے زمانے والے

کہاں چلے گئے؟ سب خاک میں مل گئے۔ بوسیدہ ہو کر جزوخاک ہوگئے۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جا رہا ہے۔ لوگ فنا ہوتے جا رہے ہیں۔

میں نے ان بزرگ سے عرض کیا کہ میں بہت دیر سے آپ کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا ہوں۔ فرمایا۔ ایسا شخص کیونکر فارغ ہو سکتا ہے جسے یہ فکر دامن گیر ہو کہ وقت ختم ہوتا جا رہا ہے جو کچھ ممکن ہو وقت ختم ہونے سے پہلے کر لینا چاہیے اور وقت جلدی کر رہا ہے کہ جس قدر جلد ختم ہو سکے ختم ہو جائے اور وہاں اسے فراغت کہاں نصیب ہو سکتی ہے جسے یہ فکر دامن گیر ہو کہ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا ہے۔ موت قریب آتی جا رہی ہے اور اس نے زمانہ گذشتہ میں جو گناہ کئے ہین وہ اس کے نامہ اعمال میں درج ہیں"۔

اس کے بعد وہ خدا سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ "خدایا! میری بداعمالیوں کی مصیبت ہو یا دوسری مصیبتیں ہوں سب کے لئے تیرے ہی پاس پناہ ہے" کچھ دیر تک اس طرح مخاطب رہے پھر قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَالَمْ یَکُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ (زمر: ۴۷) اور اگر ظالموں کے پاس وہ سب کچھ موجود ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اسی قدر اور ہو تو

وہ قیامت کے روز برائے عذاب (سے نجات پانے) کے بدلے میں دیدیں اور اس روز ان پر خدا کی طرف سے وہ چیزیں ظاہر ہو جائیں گی جن کا وہ کبھی خیال اور سان و گمان بھی نہ کرتے تھے۔

یہ آیت پڑھ کر انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ زور سے چیخ ماری اور اس طرح بے ہوش ہو کر گرے کہ میں نے سمجھا کہ ان کا دم نکل گیا۔ وہ دیر تک بے ہوشی کی حالت میں تڑپتے رہے۔ پھر افاقہ ہوا تو کہنے لگے۔ خدا وندا! جب میں روز قیامت تیرے سامنے کھڑا ہوں تو اپنے لطف وکرم سے میری خطائیں معاف کر دینا اور اپنی ستاری کے پردے میں میرے عیبوں کو چھپا لیا اور اپنی رحمت و مہربانی سے میرے گناہوں کو بخش دینا"۔

میں نے کہا "آپ جس ذات سے رحمت کی درخواست کر رہے ہیں' میں آپ کو اسی ذات کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ مجھ سے دو باتیں کیجئے"۔

انہوں نے فرمایا۔ تمہیں ایسے شخص سے بات کرنا چاہیے جس کی بات نفع بخش ہو جو شخص اپنے گناہوں کے باعث ہلاک ہو رہا ہو اس سے بات کر کے تمہیں کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟ خدا جانتا ہے کہ میں یہاں کتنے دنوں سے شیطان کے ساتھ لڑ رہا ہوں' وہ مجھ سے اس لئے لڑ رہا ہے کہ میری توجہ کو خدا کی طرف سے پھیر دے۔ تمہارے سوا اسے اور کوئی ذریعہ ایسا نہ ملا کہ وہ خدا کی طرف سے میری توجہ کو پھیرنے میں کامیاب ہو سکتا تم مجھ سے دور ہو جاؤ۔ تم شیطان کے فریب میں مبتلا ہو۔ محض تمہاری وجہ

سے میری زبان مناجات الٰہی سے معطل ہوئی اور تم نے میرے دل کو خدا کی طرف سے ہٹا کر اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ میں تمہارے شر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں' اور امید کرتا ہوں کہ وہ اپنے غصے سے مجھے پناہ میں رکھے گا"۔

میں ڈرا کہ میری وجہ سے ان بزرگ کی مشغولیت میں خلل واقع ہوا ایسا نہ ہو کہ مجھ پر خدا کا کوئی عتاب نازل ہو اس لئے میں ان کے پاس سے چلا آیا۔

حضرت سعدونؒ

حضرت مالک بن دینارؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میرا گزر بصرہ کے جنگل میں ہوا۔ میں نے حضرت سعدونؒ کو دیکھا جو سعدونؒ مجنون کے نام سے مشہور تھے۔ میں نے پوچھا۔ کیا حال ہے؟ جواب دیا۔ اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو جو ہر وقت ایک طویل سفر کے لئے تیار بیٹھا ہو؟ اور سفر بھی ایسا جس کے لئے کوئی توشہ پاس ہو اور نہ دوسرا کوئی سامان سفر' اور جانا ایسے حاکم کے حضور ہے جو بڑا ہی عادل اور بڑی ہی عظمت والا ہے یہ کہہ کر زار زار رونے لگے۔ میں نے پوچھا۔ آپ کے اس قدر رونے کا کیا سبب ہے؟ کہا میں نہ دنیا کے چھوٹنے پر رو رہا ہوں۔ نہ موت کے خوف سے' میں رو رہا ہوں اپنی زندگی کے اس دن پر جو نیک عملی سے خالی رہ گیا ہو۔ خدا گواہ

ہے کہ میں اپنے سامان سفر کی کمی پر رو رہا ہوں' سفر جتنا طویل ہے اتنا ہی مشقت طلب ہے' اس میں بہت سی گھاٹیاں ہیں اور سامان سفر کچھ بھی نہیں' اس سفر کے مصائب برداشت کرنے کے بعد معلوم نہیں ٹھکانہ کہاں ملے۔؟ جنت میں یا جہنم میں؟ میں نے کہا۔ آپ کی باتیں تو بڑی حکیمانہ ہوتی ہیں' لوگ آپ کو مجنون کیوں کہتے ہیں؟ فرمایا۔ مجھے جنون نہیں' میرے رب کی محبت میرے دل و جگر میرے گوشت پوست اور میری ہڈیوں میں پیوست ہوگئی ہے' اسی نے میرا یہ حال بنا رکھا ہے۔ میں نے پوچھا۔ آپ لوگوں سے بھاگتے کیوں ہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے دو شعر پڑھے۔

"تو آدمیوں سے دور بھاگ اور اللہ تعالے کی ہم نشینی اختیار کر
تو جس حال میں بھی چاہے لوگوں کا تجربہ کر کے دیکھ لے وہ ہر
حالت میں اذیت دینے والے بچھو' ہی ثابت ہوں گے"۔

(فضائل صدقات حصہ دوم)

یہ تھا ان خاصہ خاصان خدا کا حال جو خدا ہی کے ہو کر رہ گئے تھے۔ ہمارا کیا حال ہے؟ ہم دنیا سے ملوث بھی ہیں اور سفر آخرت اور اس کے آخری ٹھکانے کی طرف سے غافل بھی۔

حضرت بشر حافیؒ

حضرت بشر حافیؒ اولیائے کبار میں سے تھے' پھر بھی آخرت کا معاملہ اتنا نازک ہے کہ وفات کے وقت آپ پر سخت اضطراب طاری تھا۔

لوگوں نے پوچھا۔ کیا آپ زندگی کو عزیز رکھتے ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ "نہیں مجھے اپنی زندگی سے کوئی محبت نہیں۔ لیکن تمام بادشاہوں کے بادشاہ اللہ جل جلالہ' کے دربار کے پیشی کوئی معمولی بات نہیں"۔

حضرت بشر حافیؒ کے واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ انسان خدا کے خوف اور مواخذہ آخرت سے کسی حال میں بھی بے پروا نہیں ہو سکتا خواہ اس کے زہدو عبادات اور فضل وکمال کا پایہ کتنا ہی بلند ہو اور حقیقت یہ ہے کہ جن بزرگوں کو خدا کو جتنا زیادہ قرب حاصل تھا۔ وہ خدا کا اتنا ہی زیادہ خوف بھی رکھتے تھے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

ایک مرتبہ لوگوں نے حج کے موقع پر حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا کہ حرم کعبہ کی کنکریوں پر سر رکھے مصروف آہ وبکا' میں اور فریاد کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اے کریم ورحیم! میری خطاؤں کو بخش دے۔ میرے گناہوں کو معاف فرما دے اور اگر میں سزا ہی کے لائق ہوں تو قیامت کو مجھ کو نابینا کر دینا تاکہ نیک بندوں کے سامنے شرمندہ نہ ہوں'

ہائے اس وقت میں تیرے ان نیک بندوں کو کیا منہ دکھاؤں گا جو میرے بارے میں نیک گمان رکھتے ہوں۔

حضرت فریدالدین گنج شکرؒ

حضرت فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ بڑے مرتبہ کے بزرگ تھے۔ پھر بھی آپ کی رقت قلبی اور عبرت پذیری کا یہ حال تھا کہ مریدوں اور معتقدوں سے گفتگو فرماتے تو بات بات پر رو پڑتے اور کبھی کبھی تو چیخیں مار مار کر روتے'

آپ کی مجلس میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک آتا تو زاروقطار روتے' ایک بار خود ہی حضورؐ کی وفات کا ذکر فرمایا اور آخر میں ایک جگر دوز نعرہ مارا اور روتے روتے بے ہوش ہوگئے' ہوش میں آئے تو فرمایا کہ جس کے لئے تمام عالم پیدا کیا گیا اسی کو اس عالم سے اٹھا لیا گیا تو کسی دوسرے کی کیا حقیقت ہے جو وہ زندہ رہنے کی آرزو کرے ہمیں چاہئے کہ اپنے کو جانے والوں ہی میں شمار کریں اور زاد آخرت میں لگے رہیں۔

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی وفات کا زمانہ قریب تھا۔ ایک روز شمس دبیر شاعر نے خواجہ نظامی کی مثنوی سنائی جو دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے مضامین پر مشتمل ہے۔ اس مثنوی کا حضرت شیخ پر اتنا اثر ہوا کہ بے

ہوش ہوگئے اور دیر کے بعد ہوش میں آئے اس کے بعد سے آپ نے لوگوں سے بات چیت ترک کر دی اور وفات کے وقت صرف قرآن مجید کی تلاوت اور عبادت الٰہی سے کام تھا۔ پانچویں محرم کو عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی اور بے ہوش ہوگئے ایک گھنٹے کے بعد ہوش آیا تو دریافت فرمایا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ حاضرین نے عرض کی۔ جی ہاں! فرمایا۔ ایک بار اور پڑھ لوں' پھر کون جانے کیا ہو؟

اسی طرح تین مرتبہ عشاء کی نماز ادا کی اور "یاحی یا قیوم"۔ کہتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے۔

حضرت مولانا ضیاء الدین بخشی بدایونی نے اپنی کتاب سلک السلوک میں خوف آخرت اور خشیت الٰہی کے متعلق متعدد واقعات لکھے ہیں' ان میں سے دو درج ذیل ہیں۔

ایک بزرگ نے چاہا کہ بازار جا کر کچھ خریدیں' دینار کو گھر میں تولا۔ جب بازار لے گئے تو دینار گھر کے وزن سے کم نکلا۔ رونے لگے۔ لوگوں' نے پوچھا کیوں روتے ہیں؟ فرمایا جب گھر کی چیزیں یہاں ٹھیک نہیں ہوتی تو قیامت میں دنیا کی چیزوں کا کیا حال ہوگا؟

ایک بزرگ نے ایک شخص کو شیر پر سوار اور سانپ کو کوڑا بنائے ہوئے دیکھا۔ دیکھ کر کہا۔ یہ آسان ہے لیکن قیامت کے دن ترازو کے دونوں پلڑوں میں بیٹھنا مشکل ہے۔

ہماری نئی مطبوعات

چند تصویریں	خرم مراد
شہید المحراب عمر بن الخطاب	عمر تلمسانی / حافظ محمد ادریس
فی ظلال القرآن	سید قطب شہید / سید حامد علی
اسلام اور جدید ذہن کے شبہات	محمد قطب
سید بادشاہ کا قافلہ	آباد شاہ پوری
ہمارے رسول پاکؐ	طالب ہاشمی
شعورِ حیات	محمد یوسف اصلاحی
مطالعہ حدیث	محمد فاروق خان
ایمان اور اخلاق	عبدالحمید صدیقی
انقلابی کتاب	طاہر رسول قادری

البدر

پبلی کیشنز

۳۲۳۔ راحت مارکیٹ

اردو بازار۔ لاہور ۲